نضر اللہ امرءاً سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

ماہنامہ اشاعۃ الحدیث

شوال ۱۴۳۴ھ
ستمبر ۲۰۱۳ء

حضرو

حافظ زبیر علی زئی

- بخل، بزدلی اور عبادت میں سستی کا علاج
- ضعیف اور مردود روایات بطور استدلال بیان کرنا جائز نہیں
- خواب اور بیداری میں دیدار مصطفیٰ ﷺ
- غلام رسول سعیدی اور موضوع (مجہول) روایات
- نفس کی رذالتیں اور ان کا علاج

مکتبۃ الحدیث حضرو اٹک، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

109

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماہنامہ
اشاعۃ الحدیث
حضرو

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظه حتی یبلغه

جلد: 10 | شوال ۱۴۳۴ھ ستمبر ۲۰۱۳ء | شمارہ: 9

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ : 25 روپے

سالانہ : 400 روپے

مع محصول ڈاک پاکستان

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر: حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0301-8556571

حافظ زبیر علی زئی

نبی کریم ﷺ کا اپنے امتیوں سے پیار

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص کا نام زاہر تھا اور وہ دیہات سے نبی ﷺ کے لئے تحفہ لاتا تھا، جب وہ واپس جانے کا ارادہ کرتا تو نبی ﷺ بھی اسے تحفے تحائف دیتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: زاہر ہمارا بادیہ (دیہاتی) ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس سے محبت کرتے تھے، حالانکہ وہ شخص خوبصورت نہیں تھا۔ ایک دن وہ اپنا سامان بیچ رہا تھا کہ نبی ﷺ تشریف لائے تو اس کے پیچھے سے اس کی آنکھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ وہ آپ کو دیکھ نہیں رہا تھا، لہٰذا کہنے لگا: یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے۔ پھر جب اس نے چہرہ پھیرا تو نبی ﷺ کو پہچان لیا اور اپنی پشت نبی ﷺ کے سینے سے ملانے لگا۔ نبی ﷺ فرمانے لگے: اس بندے کو کون خریدتا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا: یارسول اللہ! آپ مجھے بہت کم قیمت پائیں گے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: لیکن تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں، یا فرمایا: تو اللہ کے نزدیک بہت قیمتی ہے۔

تحقیق و تخریج: صحیح

شمائل ترمذی (۲۳۸) صحیح ابن حبان (۲۲۷۶) نیز دیکھئے اضواء المصابیح (۴۸۸۹)

شرح و فوائد:

۱: بعض محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا، لیکن ان کی بیان کردہ علت علتِ قادحہ نہیں، لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

۲: اپنے پیارے دوست کے ساتھ پیار و محبت والا مزاح جائز ہے بشرطیکہ وہ ناراض نہ ہو، مثلاً پیچھے سے آکر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دینا کہ وہ پہچانتا ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔

۳: ایک دوسرے کو تحفے تحائف دینا مسنون ہے۔ ۴: نیکی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہئے۔

۵: اللہ رب العزت کے ہاں شکل و صورت کی بجائے تقویٰ و اخلاص کی قیمت ہے۔

اضواء المصابیح

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

۴۲۹) وَعَنْ اَبِی رَافِعٍ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلَاةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ فِیْ اِصْبَعِهٖ. رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِیُّ، وَرَوَی ابْنُ مَاجَه الْأَخِیْرَ.

اور ابورافع (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے وضو کرتے تو اپنی انگلی میں انگوٹھی کو ہلاتے تھے۔ اسے دارقطنی (۱/۸۳ وقال: **معمر [بن محمد بن عبیداللّٰه] و أبوه ضعیفان و لا یصح هذا**) اور ابن ماجہ (۴۴۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: **اس کی سند ضعیف ہے۔**

امام دارقطنی نے فرمایا: معمر (بن محمد بن عبیداللہ) اور اس کا باپ دونوں ضعیف تھے اور یہ (روایت) صحیح نہیں۔ بوصیری نے کہا: یہ سند معمر اور اس کے باپ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ الخ (زوائد ابن ماجہ: ۴۴۹)

عرض ہے کہ معمر بن محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''**منکر الحدیث**'' (تقریب التہذیب: ۶۸۱۶)

اور محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع کے بارے میں فرمایا: ''**ضعیف**'' (تقریب التہذیب: ۶۱۰۶)

حافظ ہیثمی نے فرمایا: محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ۶/۱۱۴، نیز دیکھئے انوار الصحیفہ ص ۳۹۴)

۵: باب الغسل — الفصل الأول

نہانے کا بیان — پہلی فصل

۴۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((**اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ**

بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَإِنْ لَّمْ يُنْزِلْ.))
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اس (اپنی بیوی) کی شرمگاہ کے پاس بیٹھ جائے، پھر کوشش کرے تو غسل واجب (فرض) ہو گیا، اگرچہ اسے انزال نہ ہو۔ متفق علیہ (صحیح بخاری: ۲۹۱، صحیح مسلم: ۳۴۸)

فقہ الحدیث:

۱: صرف شرمگاہ کے ساتھ شرمگاہ کے مل جانے سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے، اگرچہ دخول ہو یا نہ ہو، یا انزال ہو یا نہ ہو۔

۲: وہ روایت جس میں آیا ہے کہ نہانا تو صرف انزال کے بعد ہی (فرض) ہے، اس روایت اور دوسرے دلائل کی وجہ سے منسوخ ہے۔ نیز دیکھئے ح ۴۴۸

۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرم و حیا والے اور بہترین معلم (استاذ) تھے۔

۴: ضرورت کے وقت مسئلہ صاف اور واضح طور پر بتا دینا چاہئے۔

۵: دین اسلام مکمل دین ہے۔

۴۳۱) وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ.)) رَوَاهُ مُسْلِمٌ.
قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ، رَحِمَهُ اللّٰهُ: هٰذَا مَنْسُوْخٌ.

اور ابو سعید (الخدری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی تو پانی سے ہے یعنی نہانا تو صرف انزال کے بعد ہی (فرض) ہے۔

اسے مسلم (۳۴۳) نے روایت کیا ہے۔

شیخ امام محیی السنۃ (البغوی رحمہ اللہ) نے فرمایا: یہ (حدیث) منسوخ ہے۔

(شرح السنۃ للبغوی ۲/۶ بعد ح ۲۴۳)

۴۳۲) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ فِي الْاِحْتِلَامِ. رَوَاهُ

التِّرْمِذِيُّ، وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ.

اور ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: پانی تو پانی سے ہے (والی حدیث) احتلام کے بارے میں ہے۔ اسے ترمذی (۱۱۲) نے روایت کیا ہے اور یہ روایت مجھے صحیحین میں نہیں ملی۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں وجہ ضعف صرف یہ ہے کہ امام شریک القاضی رحمہ اللہ مدلس تھے اور یہ سند عن سے ہے، رہی باقی سند تو وہ حسن لذاتہ ہے۔

۴۳۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ: ((**نَعَمْ اِذَا رَأَتِ الْمَآءَ**)) فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا، وَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ؟ قَالَ: ((**نَعَمْ، تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ، فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا؟**.)) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ ام سُلیم (رضی اللہ عنہا) نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا، کیا عورت پر بھی احتلام کی صورت میں غسل ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اگر وہ پانی دیکھے۔ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے (شرم سے) اپنا چہرہ چھپا لیا اور کہا: یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تیرے ہاتھ کو مٹی لگے، بچہ اپنی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ **متفق علیہ (صحیح بخاری: ۱۳۰، صحیح مسلم: ۳۱۳)**

فقہ الحدیث:

۱: حق بات بغیر کسی خوف کے بیان کر دینی چاہئے۔

۲: مردوں کی طرح بعض عورتوں کو بھی نیند میں احتلام ہوتا ہے۔

۳: سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت حیادار تھیں۔

۴: سیدہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا بہت بہادر اور دین سیکھنے میں بہت جرأت مند تھیں۔

۵: بچہ بعض اوقات اپنی ماں یا ننھیال سے مشابہ ہوتا ہے اور بعض اوقات اپنے والد اور

ددھیال سے مشابہ ہوتا ہے۔

٦: دین کا کوئی مسئلہ ثابت شدہ سائنس اور طب کے خلاف نہیں۔

٤٣٤) وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ أُمِّ سُلَيْمٍ: ((اَنَّ مَآءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ، وَمَآءَ الْمَرْأَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ، فَمِنْ اَيِّهِمَا عَلَا اَوْ سَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ.))

اور (امام) مسلم (٣١١) نے ام سُلَیم (رضی اللہ عنہا) کی روایت سے یہ اضافہ بیان کیا ہے: مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے، ان میں سے جو دوسرے پر غالب آ جائے تو اسی سے مشابہت ہوتی ہے۔

٤٣٥) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَآءِ، فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلَاثَ غُرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَآءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُّدْخِلَهُمَا الْاِنَاءَ، ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ، فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ.

اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسلِ جنابت کرتے تو پہلے ہاتھ دھوتے، پھر نماز والا وضو کرتے، پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل کرتے تو ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے، پھر سر پر تین چلو پانی ڈالتے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہاتے تھے۔ متفق علیہ (صحیح بخاری: ٢٤٨، صحیح مسلم: ٣١٦)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ برتن میں داخل کرنے سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرمگاہ دھوتے پھر وضو کرتے تھے۔

فقہ الحدیث:

١: برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے انھیں اچھی طرح دھونا چاہئے۔

٢: قلتین سے کم پانی میں اگر تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے تو ناپاک یا مشکوک ہو جاتا

ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

۳: وضو کے دوران میں داڑھی کا خلال سنت ہے اور غسل والے وضو کے بعد سر کے (لمبے) بالوں کا خلال کرنا سنت ہے۔ ۴: صفائی اور طہارت کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

۴۳۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ: وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ غُسْلًا فَسَتَرْتُهُ بِثَوْبٍ، وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ، فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهِ عَلٰى شِمَالِهِ، فَغَسَلَ فَرْجَهُ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا، ثُمَّ غَسَلَهَا، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَاْسِهِ، وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَاْخُذْهُ، فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ.

اور ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میمونہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا، پھر ایک کپڑے سے آپ کے لئے پردہ کر دیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی بہایا اور انھیں دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں پر پانی ڈالا تو اپنی شرمگاہ کو دھویا پھر آپ نے زمین پر اپنا ہاتھ مار کر رگڑا پھر اسے دھویا۔ پھر آپ نے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، اپنا چہرہ اور دونوں بازو دھوئے، پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور سارے جسم پر بہایا، پھر وہاں سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے۔

پھر میں نے آپ کو (جسم خشک کرنے کے لئے) کپڑا دینا چاہا مگر آپ نے کپڑا نہیں لیا۔ پھر آپ اپنے ہاتھوں سے (جسم مبارک کا) پانی صاف کرتے ہوئے چلے گئے۔

متفق علیہ (صحیح بخاری: ۲۷۶، صحیح مسلم: ۳۱۷/ ۳۷ [۷۲۲]) حدیث ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

فقہ الحدیث:

۱: غسل کے وقت پردہ کرنا چاہیے، چاہے انسان اپنے گھر میں ہی ہو۔

۲: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل سے پہلے والے وضو میں سر کا مسح نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وضو کرتے ہوئے سر تک پہنچے تو آپ نے سر کا مسح نہیں کیا، بلکہ سر پر پانی ڈالا۔

(السنن النسائی: ۴۲۲ باب ترک مسح الرأس فی الوضوء من الجنابۃ، وھو صحیح غریب)

اگر عمومی دلائل (یتوضأ وضوءہ للصلاۃ / صحیح مسلم: ۳۱۶ [۷۱۸]، صحیح بخاری: ۲۴۸) کو مدنظر رکھ کر سر کا مسح بھی کر لیا جائے تو جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ صریح دلیل کی وجہ سے اس حالت میں سر پر مسح نہ کیا جائے۔

۳: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت فرمایا تو تین دفعہ کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ (سنن النسائی: ۲۴۴ وسندہ حسن)

عطاء بن السائب آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے لیکن امام زائدہ بن قدامہ کا ان سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے۔ (دیکھئے اختصار علوم الحدیث مترجم مع تحقیقی ص ۱۶۶، نوع ۶۲)

۴: وضو میں ترتیب مسنون و مشروع ہے۔

۵: وضو کے بعد تولیے وغیرہ سے جسم پونچھنا بہتر نہیں۔

توضیح الاحکام (ج ۱ ص ۲۱۷-۲۱۹) سے ایک سوال کے مفصل جواب کی عبارت پیشِ خدمت ہے: محفوظ بن علقمہ سے روایت ہے کہ سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو آپ نے اپنا اُونی جُبہ پلٹ کر اُس سے اپنا چہرہ پونچھ لیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۶۸، ۳۵۶۴)

محفوظ بن علقمہ کا سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کے باوجود بوصیری نے اس روایت کو صحیح اور شیخ البانی نے ''حسن'' قرار دیا ہے۔!

عبیداللہ بن ابی بکر (تابعی) سے روایت ہے کہ انھوں نے (سیدنا) انس بن مالک

(رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، آپ وضو کے بعد رومال سے اپنا چہرہ پونچھ کر صاف کرتے تھے۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۴۱۵ وسندہ حسن)

بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ (وضو کے بعد) رومال کے ساتھ پونچھتے تھے۔ (الاوسط ۱/۴۱۶ وسندہ صحیح)

حسن بصری اور محمد بن سیرین دونوں وضو کے بعد رومال سے منہ پونچھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۸، ۱۴۹ ح ۱۵۷۹، وسندہ صحیح)

الربیع بن عمیلہ اور ابوالاحوص دونوں وضو کے بعد پونچھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۹ ح ۱۵۸۱ وسندہ حسن)

حسن بصری سے پوچھا گیا کہ کیا وضو کے بعد کپڑے سے منہ پونچھنا جائز ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں، بشرطیکہ کپڑا پاک صاف ہو۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۹ ح ۱۵۸۴ وسندہ صحیح)

اسود (تابعی مشہور) رومال سے پونچھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۹ ح ۱۵۸۸ وسندہ صحیح)

امام زہری (تابعی) بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۹ ح ۱۵۹۰ وسندہ صحیح)

بکر بن عبداللہ المزنی فرماتے تھے کہ سردیوں میں (وضو کے اعضاء) پونچھنے میں فائدہ ہوتا ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۹ ح ۱۵۹۱ وسندہ صحیح)

امام احمد وضو کے بعد رومال کے استعمال کو جائز سمجھتے تھے۔ (مسائل ابی داود ص ۱۲)

دوسری طرف عطاء بن ابی رباح (تابعی) ان رومالوں کو بدعت سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۰ ح ۱۵۹۶ وسندہ صحیح)

ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر دونوں وضو کے بعد رومال کا استعمال مکروہ سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۰ ح ۱۵۹۵ وسندہ صحیح)

سعید بن المسیب (تابعی) اسے مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ (وضو کے قطروں کا) وزن ہوتا ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۰ ح ۱۵۹۹ وسندہ حسن)

ان تمام آثارِ صحیحہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ وضو کے بعد اعضائے وضو پونچھنا جائز اور مباح ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں، تاہم بہتر یہی ہے کہ نہ پونچھا جائے۔ واللہ اعلم

غسل کے بعد جسم پونچھنا

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غسل کے بعد رومال لایا گیا مگر آپ نے اسے نہیں لیا اور اس کے ساتھ جسم نہیں پونچھا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹، ۲۷۶ و صحیح مسلم: ۳۱۷ بالفاظ مختلفۃ نحو المعنیٰ)

بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غسل کے بعد جسم نہیں پونچھنا چاہیے۔ لیکن امام ابن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں: " **وھذا الخبر لایوجب الحظر ذلك ولا المنع منه لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم ينه عنه، مع أن النبي صلى الله عليه وسلم قد كان يدع الشيء المباح لئلا يشق علىٰ أمته، من ذلك قوله لبني عبدالمطلب: لولا أن تغلبوا علىٰ سقايتكم لنزعت معكم** " اس حدیث سے (غسل کے بعد جسم خشک کرنے کی) ممانعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ایک مباح چیز اس لئے چھوڑ دیتے تھے، تاکہ اُمت پر تنگی نہ ہو۔ اسی میں سے آپ کا وہ ارشاد بھی ہے جو آپ نے بنوعبدالمطلب سے فرمایا تھا: اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ (میری وجہ سے) بھیڑ کر کے تمھیں پانی نکالنے سے روک دیں گے تو میں بھی تمھارے ساتھ مل کر پانی نکالتا۔ (الاوسط ۱/۴۱۹)

امام احمد بن حنبل غسل کے بعد جسم پونچھنے کو جائز سمجھتے تھے۔ (مسائل ابی داود ص ۱۲)

آثارِ صحابہ اور فہم سلف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ غسل کے بعد جسم نہ پونچھنا افضل ہے اور اگر پونچھ لیا جائے تو جائز ہے۔ سردیوں میں جب بیماری کا خطرہ ہو تو پھر جسم پونچھنا بہتر ہے۔ **واللہ أعلم**

۶: بیوی کو چاہیے کہ خیر اور مباح اُمور میں ہر ممکنہ طریقے سے اپنے شوہر کی خدمت کرے۔

۷: ہاتھوں سے وضو اور غسل کا پانی چھڑکنا اور اعضائے وضو وغسل کا خشک کرنا بالکل جائز

ہے۔ایک روایت میں آیا ہے:" لا تنفضوا أيديكم في الوضوء فإنما مراوح الشيطان "وضو میں اپنے ہاتھوں سے پانی نہ جھاڑو، کیونکہ یہ شیطان کے پنکھے ہیں۔
(العلل لابن ابی حاتم :۳۷، المجروحین لابن حبان ۲۰۳/۱ دوسرا نسخہ ۲۳۳/۱)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" البختري بن عبيد عن أبيه عن أبي هريرة "

اس روایت کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

" هذا حديث منكر ، و البختري ضعيف الحديث و أبوه مجهول "

یہ منکر روایت ہے، بختری ضعیف ہے اور اس کا باپ مجہول ہے۔ (علل الحدیث ۱/ ۲۳۸)

نیز فرمایا:" هو ضعيف الحديث ، ذاهب " (الجرح والتعدیل ۲/ ۴۲۷)

حاکم نیشاپوری نے فرمایا:" روى عن أبيه عن أبي هريرة أحاديث موضوعة"
اس نے اپنے باپ سے، اس نے ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے موضوع روایات بیان کیں۔
(المدخل الی الصحیح ص ۱۲۴ رقم ۲۷)

یعنی یہ روایت موضوع اور منکر ہے، لہٰذا اس سے استدلال جائز نہیں۔

۸: غسل جنابت میں استنجا کرتے وقت مٹی پر بایاں ہاتھ رگڑنا مسنون ہے، تاکہ ہاتھ اچھی طرح صاف ہو جائے۔

آنے والی حدیث (۴۳۷) میں " خذي فرصة من مسك " کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صابون اور شیمپو وغیرہ کا استعمال بھی جائز ہے۔

۹: سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔

۱۰: ذراع سے مراد ہاتھ کی انگلیوں سے لے کر کہنی تک پوری کلائی ہے۔

بخل، بزدلی اور عبادت میں سستی کا علاج

سوال فضائل اعمال کی کتاب فضائل ذکر کے باب سوئم فصل دوم کے تحت حدیث نمبر ۵ کی تحقیق و تخریج درکار ہے، یہ حدیث درج ذیل ہے:

"عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه ﷺ: من هاله الليل أن يكابده أو بخل بالمال أن ينفقه أو جبن عن العدوّ أن يقاتله فليكثر من سبحان اللّٰه و بحمده. فإنها أحب إلى اللّٰه من جبل ذهب ينفقه في سبيل اللّٰه.

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو مشقت جھیلنے سے ڈرتا ہو (کہ راتوں کو جاگنے اور عبادت میں مشغول رہنے سے قاصر ہو) یا بخل کی وجہ سے مال خرچ کرنا دشوار ہو یا بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ پڑتی ہو اس کو چاہئے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ کثرت سے پڑھا کرے کہ اللہ کے نزدیک یہ کلام پہاڑ کی بقدر سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

رواه الفريابي والطبراني واللفظ له وهو حديث غريب ولا بأس بإسناده ان شاء اللّٰه كذا فى الترغيب و في مجمع الزوائد رواه الطبراني و فيه سليمان بن أحمد الواسطي و ثقه عبدان و ضعفه الجمهور والغالب علٰى بقية رجاله التوثيق و فى الباب عن أبي هريرةؓ مرفوعًا اخرجه ابن مردويه و ابن عباس ايضًا عند ابن مردويه كذا فى الدر."

(گل رحمٰن تخت بھائی ضلع مردان)

الجواب فریابی کی روایت (جس کا متن یہاں مذکور نہیں) کی سند المعجم الکبیر للطبرانی (۲۶۳/۸ ح ۷۸۷۷) میں مذکور ہے اور یہ سند عثمان بن ابی العاتکہ (ضعفہ الجمہور/ مجمع الزوائد ۲۱۰/۱۰) اور علی بن یزید الاصبہانی (ضعیف/ تقریب التہذیب: ۴۸۱۷)

کی وجہ سے ضعیف ہے۔

طبرانی والی روایت معمولی اختلاف کے ساتھ درج ذیل سند سے مروی ہے:

" **حدثنا أحمد بن محمد بن يحيى بن حمزة الدمشقي: حدثني أبي عن أبيه: ثنا حداد العذري مع ابن جابر عن العباس بن ميمون عن القاسم عن أبي أمامة...** " (المعجم الکبیر ۸/ ۲۲۸ ح ۷۷۹۵)

اس سند میں احمد بن محمد بن یحییٰ بن حمزہ اپنے باپ سے روایت کرنے میں سخت مجروح ہے۔ (مثلاً دیکھئے لسان المیزان ۱/ ۲۵۰، الثقات لابن حبان ترجمۃ محمد بن یحییٰ ۹/ ۷۴)

ایک معاصر ابو الطیب نائف بن صلاح بن علی المنصوری نے شیوخِ طبرانی پر جو کتاب لکھی ہے، اس میں اسے " **ضعیف صاحب مناکیر و غرائب** " قرار دیا ہے۔ (ارشاد القاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی ص ۱۸۰، رقم ۲۱۴)

اس سند کے دوسرے راوی حداد العذری کی توثیق نامعلوم ہے۔

اس سند کے تیسرے راوی عباس بن میمون کی توثیق بھی معلوم نہیں۔

ثابت ہوا کہ یہ سند تین وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

دوسری سند: المعجم الکبیر میں اس روایت کی دوسری سند بھی موجود ہے لیکن اس میں سلیمان بن احمد الواسطی راوی ہے۔

(ج ۸ ص ۲۳۰ ح ۷۸۰۰ نیز دیکھئے مسند الشامیین ۱/ ۱۱۴ ح ۱۷۴، الترغیب لابن شاہین ۱/ ۱۸۰ ح ۱۵۸، شاملہ)

سلیمان الواسطی جمہور کے نزدیک مجروح ہے اور ہیثمی نے فرمایا:

" **وثقه عبدان و ضعفه الجمهور** " (مجمع الزوائد ۱۰/ ۹۴)

امام بخاری نے اس شخص پر " **فيه نظر** " کہہ کر شدید جرح کی۔ (دیکھئے التاریخ الکبیر ۴/ ۳)

ابن عدی نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ حدیثیں چوری کرتا تھا یا اس پر حدیثیں مشتبہ (گڈمڈ) ہو جاتی تھیں۔ (الکامل ۳/ ۱۱۴۰، دوسرا نسخہ ۴/ ۲۹۷)

تیسری سند: یہ ضعیف و مردود سند شروع میں بحوالہ فریابی و طبرانی گزر چکی ہے۔

شواہد: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت الترغیب و الترہیب للاصبہانی (ق ۶۷/۲ مصورۃ الجامعۃ الاسلامیہ) میں ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۶/۴۸۴ ح ۲۷۱۴)

اس سند میں یوسف بن العنبس الیمانی نامعلوم ہے، عکرمۃ بن عمار اور یحییٰ بن ابی کثیر دونوں مدلس ہیں اور یہ سند عن سے ہے، نیز عکرمہ کی یحییٰ سے روایت میں کلام ہے لہٰذا یہ سند چار وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت (متن کے اختلاف کے ساتھ) مسند البزار (البحر الزخار ۱۱/ ۱۶۸ ح ۴۹۰۴) اور مسند عبد بن حمید (۶۴۱) وغیرہما میں اسرائیل عن ابی یحییٰ عن مجاہد عن ابن عباس کی سند سے مذکور ہے۔

اس سند میں ابو یحییٰ القتات جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۲۴)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس مفہوم کی ایک روایت معجم الاسماعیلی میں مذکور ہے۔ (۲،۳/ ۲۷ت ۳۴۲، نیز دیکھئے الصحیحۃ للالبانی ۶/۴۸۲ ح ۲۷۱۴)

یہ سند سفیان ثوری ثقہ مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا اسے "**و هذا إسناد صحيح**" کہنا غلط ہے۔

شعب الایمان للبیہقی (ح ۶۰۷ دوسرا نسخہ: ۵۹۹) میں سفیان ثوری کی متابعت حمزہ الزیات سے مروی ہے لیکن اس سند میں مہران بن ہارون بن علی الرازی کی توثیق نامعلوم ہے۔

یہی روایت اس متن کے بغیر مسند احمد (۱/ ۳۸۷ ح ۳۶۷۲) وغیرہ میں مذکور ہے لیکن اس کی سند میں صباح بن محمد ضعیف ہے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح بتحقیقی: ۴۹۹۴)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ یہ مرفوع روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

فائدہ عظیمہ: محمد بن طلحہ بن مصرف الیمانی نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا کہ عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: "**إن الله عز وجل قسم بينكم أخلاقكم كما قسم بينكم أرزاقكم. و أن الله يعطي المال من يحب و من لا يحب و لا يعطي**

الإيمان إلا من يحب فإذا أحب اللّٰه عبدًا أعطاه الإيمان فمن ضن بالمال أن ينفقه وهاب العدو أن يجاهده و الليل أن يكابده فليكثر من قول لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر والحمد للّٰه و سبحان اللّٰه." بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان اس طرح اخلاق تقسیم فرمائے ہیں جس طرح تمھارے درمیان رزق تقسیم فرمایا ہے۔ اللہ جسے پسند کرتا ہے اُسے مال دیتا ہے اور جسے پسند نہیں کرتا اُسے بھی مال دیتا ہے اور ایمان صرف اسے ہی دیتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے، پھر جب وہ کسی بندے کو پسند کرتا ہے اسے ایمان دیتا ہے تو جو شخص مال (خرچ کرنے) کے بارے میں بخل کرے (یعنی وہ ڈرے کہ خرچ کرنے سے مال ختم ہو جائے گا) اور دشمن کے خلاف جہاد کرنے سے ڈرے اور رات کو عبادت کرنے میں) تکلیف و مشقت محسوس کرے (یعنی اس میں مال خرچ کرنے اور رات عبادت میں گزارنے کا حوصلہ نہیں) تو اسے کثرت سے لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ اور سبحان اللہ پڑھنا چاہیے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۹/ ۲۲۹ ح ۸۹۹۰)

اس موقوف روایت کی سند محمد بن طلحہ (وثقہ الجمہور) کی وجہ سے حسن لذاتہ ہے، نیز زہیر بن معاویہ (الزہد لابی داود: ۱۵۷) اور مالک بن مغول (حلیۃ الاولیاء ۴/ ۱۶۵) نے اُن کی متابعت کر رکھی ہے، لہٰذا یہ اثر صحیح ہے۔

امام دارقطنی نے بھی موقوف کو صحیح قرار دیا ہے۔ (العلل ۵/ ۲۷۱ سوال ۸۷۲)

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقوف روایت حکماً مرفوع ہے۔ واللہ اعلم (۱۱/ فروری ۲۰۱۳ء)

ضعیف اور مردود روایات بطورِ استدلال بیان کرنا جائز نہیں

سوال کسی ایسے شخص کے لئے ضعیف اور مردود روایات بطورِ استدلال بیان کرنا جائز ہے جو حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں ناواقف ہے، یا جان بوجھ کر حدیث کی صحت وضعف کو بیان نہیں کرتا، کیا حدیث بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(گل رحمان، تخت بھائی ضلع مردان)

الجواب اگر یہ شخص ناواقف ہے تو اس کے لئے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں کی حدیث بیان کرنا جائز نہیں، کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ ضعیف یا مردود روایت بطورِ جزم بیان کردے اور پھر وہ اس حدیث کا مصداق بن جائے، جس میں آیا ہے:
جس نے مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں تلاش کرے۔

(صحیح بخاری: ۱۰۸، صحیح مسلم: ۲[۳])

یہ تو ناواقف کا حکم ہے اور جسے حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا معلوم ہوتا ہے، پھر وہ ضعیف روایت بغیر کسی رد کے بطورِ جزم بیان کرتا ہے تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ (۱۱/ مارچ ۲۰۱۳ء)

خواب اور بیداری میں دیدارِ مصطفیٰ ﷺ

سوال خواب اور بیداری کی حالت میں دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (ایک سائل)

الجواب خواب میں رسول اللہ ﷺ کا دیدار ممکن ہے۔
دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۴۰ ص ۱۲۔۱۳، عدد ۶۶ ص ۴

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کا جو دیدار کیا تھا وہ حدیث کے حکم میں ہے اور حجت ہے۔

صحابۂ کرام کے بعد قیامت تک ہر شخص کا یہ دعویٰ کہ میں نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا ہے، شرعی حجت نہیں بلکہ اگر اس میں قرآن، حدیث، اجماع اور آثارِ سلف صالحین کے خلاف کوئی بات ہو تو یہ دعویٰ مردود اور باطل ہے۔

بیداری میں رسول اللہ ﷺ کا دنیا میں دیدار قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت نہیں، دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۵۴۱۴)

لہٰذا بیداری والے دیدار کا دعویٰ غلط اور باطل ہے۔

(۱۰/ اپریل ۲۰۱۰ء)

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

دیوبندیوں کی رافضیت غازی پوری اصول پر!

(قسط نمبر۲)

۶: ان کے ''امام'' احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی نے لکھا:

''قال ابو الحسن :فھذا یدل من قوله دلالة بینة علی أنه کان یری أن تقلید الصحابی اذا لم یعلم خلافه من أھل عصره اولٰی من القیاس . و قال ابو الحسن :أما أنا فلا یعجبنی ھذا المذھب ... و أما أبو حنیفة فلا یحفظ عنه ذلك ، انما الّذی یحفظ عنه :أنه قال:اذا اجتمعت الصحابة علی شئ سلمنا لھم و اذا اجتمع التابعون زاحمناھم ، قال ابو بکر قد یوجد نحو ماذکره عن أبی یوسف فی کتب الاصول أیضًا .''

ابوالحسن (کرخی) نے کہا: (ابو یوسف کی) یہ بات واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ وہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی تقلید کو قیاس سے اولیٰ تب سمجھتے جب کسی دوسرے صحابی کی مخالفت کا انہیں علم نہ ہوتا۔ اور ابوالحسن نے کہا رہا میں تو مجھے یہ مذہب پسند نہیں...اور رہے ابوحنیفہ تو ان سے یہ یہ مذہب محفوظ نہیں۔ دراصل ان سے جو بات محفوظ ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: جب کسی بات پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر تابعین کسی بات پر جمع ہو جائیں تو ہم ان سے اختلاف (بھی) کرتے ہیں۔ ابوبکر نے کہا: اس طرح کی بات کتب اصول میں ابو یوسف سے بھی ملتی ہے۔ (الفصول فی الاصول ۳/ ۳۶۱ مطبوعہ کویت)

جصاص حنفی نے یہ بھی لکھا: **''کان ابو الحسن یحتج فی أنَّ قول الصحابی لیس بحجة فیما یسوغ فیه الاجتھاد وللقیاس مدخل فی اثباته أنه لو کان حجة لما جاز لغیره من أھل عصره مخالفته کما ان الکتاب و السنة لما کانا حجة یلزم اتباعھما لم یجز لاحد مخالفتھما''** ابوالحسن اس بات سے دلیل لیتے

کہ جس مسئلہ میں اجتہاد جائز ہو اور اس کے اثبات میں قیاس کا دخل ہو اس میں قول صحابی حجت نہیں اگر وہ حجت ہوتا تو ان کے زمانے کے کسی فرد کے لئے اس کی مخالفت جائز نہ ہوتی جیسا کہ کتاب و سنت حجت ہیں تو ان کی اتباع ہر ایک پر لازم ہے کسی کے لئے بھی ان کی مخالفت جائز نہیں۔ (حوالہ بالا ۱۱/۳۶۳)

۷: قاضی ابوزید عبیداللہ الدبوسی الحنفی نے لکھا:

" قال ابو سعيد البردعی: تقليد الصحابی واجب يترك بقوله القياس ، و عليه ادركنا مشايخنا، وقال ابو الحسن الكرخی: لا يجوز تقليده الا فيما لا يدرك بالقياس، و ذكر محمد بن الحسن :أن شراء ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن لا يجوز، واحتج باثر عائشة و القياس يجوّزه. و قال بعضهم: لا يقلد الصحابی ، و هو قول الشافعی، وقال بعض مشايخنا: يقلد التابعی الذی انتصب مفتيا فی زمن الصحابة، و ليس عن أصحابنا مذهب ثابت، والمروي عن ابی حنيفة رضي اللّٰه عنه :"اذا اجتمعت الصحابة سلمنا لهم ، و اذا جاءَ التابعون زاحمناهم" لانه كان منهم فلا يثبت لهم بدونه اجماع. وقد ذكر محمد بن الحسن: أن الحاصل لا تطلق ثلاثًا للسنة، و روی ذلك عن جابر و ابن مسعود، و خالفه ابو حنيفة و أبو يوسف و ما لقولهما قول الصحابة. وقال ابو حنيفة: اعلامُ قدر رأس المال شرط لجواز السلم ورواه عن ابن عمر فی الاصل، و خالفه ابو يوسف و محمد بالرأي وقال ابو يوسف و محمد الاجير المشترك ضامن لما ضاع عنده. و رويا ذلك عن علی و خالفهما ابو حنيفة بالرأي." ابوسعید (احمد بن الحسین) البردعی (الحنفی المعتزلی م ۳۱۷ھ) نے کہا: صحابی کی تقلید واجب ہے ان کے قول کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جائے گا، اسی پر ہم نے اپنے مشائخ کو پایا ہے اور ابوالحسن کرخی نے کہا: صحابی کی تقلید جائز نہیں سوائے اس میں جو قیاس سے حاصل نہ ہوسکتا ہو، اور محمد بن حسن

(الشیبانی) نے بیان کیا کہ نقد قیمت کی ادائیگی سے پہلے فروخت کردہ چیز کا فروخت کردہ قیمت سے کم قیمت میں خرید لینا جائز نہیں۔ اور محمد نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اثر سے دلیل لی، حالانکہ قیاس اس چیز کو جائز قرار دیتا ہے۔ اور بعض نے کہا: صحابی کی تقلید نہیں کی جائے گی، یہی امام شافعی کا قول ہے، اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا: اس تابعی کی بھی تقلید کی جائے گی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں مفتی مقرر ہوئے، اور ہمارے اصحاب سے اس سلسلہ میں کوئی مذہب ثابت نہیں۔ امام ابوحنیفہ اللہ ان سے راضی ہو سے مروی ہے: جب صحابہ کا اجماع ہو تو ہم تسلیم کرتے ہیں اور جب تابعین آئیں تو ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ چونکہ امام ابوحنیفہ بھی انھی میں سے تھے ان کے بغیر ان کا اجماع ثابت نہیں ہوتا۔

محمد بن حسن نے کہا: سنت کی بنا پر حاملہ عورت کو تین طلاقیں نہ دی جائیں اور یہی بات جابر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جبکہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف نے ان (محمد بن حسن) کی مخالفت کی اور ان دونوں کے قول کی صحابہ کے قول میں سے کوئی دلیل بھی نہیں۔

اور ابوحنیفہ نے کہا: بیع سلم کے جواز کے لئے اصل مال کی مقدار کا بیان کرنا شرط ہے اور الاصل میں یہ بات ابن عمر سے روایت کی ہے۔ جبکہ ابو یوسف و محمد نے رائے کے ساتھ ان کی مخالفت کی۔ ابو یوسف و محمد نے کہا: اجیر مشترک سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن ہے۔ اور یہ بات ان دونوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جبکہ ابوحنیفہ نے رائے کے ذریعے ان کی مخالفت کی'' (تقویم الادلہ ص ۲۵۶)

ایک طرف غازیپوری صاحب کے سخت ترین متعصّبانہ فتوے ہیں دوسری طرف قاضی ابوزید دبوسی حنفی کی پیش کردہ مثالیں ہیں، جن میں وہ فقہ حنفی کے اساطینِ ثلاثہ ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد بن حسن کے اختیار کردہ مسائل بیان کر رہے ہیں کہ کس نے کب صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کو ترک کر کے رائے سے فتویٰ دیا۔

☆ دبوسی کے بقول حاملہ کو طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں ابوحنیفہ اور ابو یوسف نے سیدنا جابر و سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال کو نہیں لیا بلکہ اپنی رائے کے ذریعے سے اس کے

خلاف کہا۔

☆ بیع سلم کے مسئلے میں ابو یوسف اور ابن فرقد الشیبانی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو نہیں لیا اور اپنی رائے سے اس کے خلاف کہا۔

☆ اجیر مشترک کے مسئلہ میں ابو حنیفہ نے خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو نہیں لیا اور رائے کے ذریعے سے اس کی مخالفت کی۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ مثالیں دیوبندیوں کی درسی کتب میں بھی موجود ہیں۔ ان مثالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ احناف کے نزدیک خود ابو حنیفہ، ابو یوسف اور ابن فرقد کسی مسئلے میں تو قول صحابی کو قبول کرتے تھے اور کسی مسئلے میں رائے و قیاس کے ذریعے فتوے دے کر ان کے قول کو قبول نہیں کرتے تھے۔

اب ان کے بعد ان میں کونسی ایسی جماعت رہ جاتی ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ اقوال صحابہ کو حجت مانتے تھے! چونکہ کبھی مان لینا اور کبھی نہ ماننا اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ انھیں حجت نہیں سمجھتے تھے، اگر حجت سمجھتے تو ہر ہر قول کو تسلیم کر لیتے اور اس کے مطابق فتوے دیتے۔ ان گتھیوں کو سلجھانے کے ساتھ ساتھ غازیپوری صاحب اور ان کے ہم خیال و ہم مشرب حضرات جواب دیں کہ فقہ حنفی کے اساطین ثلاثہ اور ابو الحسن کرخی وغیرہم غازیپوری صاحب کے فتاویٰ کی روشنی میں بغض و عداوتِ صحابہ، خارجیت، ناصبیت، شیعیت اور رافضیت کے فتوؤں سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

جب انھوں نے اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کو قبول نہیں کیا تو غازیپوری فتوؤں کے مطابق کیا وہ رافضی نہیں بن گئے؟؟

۸: علامہ سرخسی حنفی نے ایسی چند مثالیں بیان کرنے کے بعد کہا:

"فعرفنا أن عَمَلَ علمائنا بهذا فی مسائلهم مختلف"

ہم نے یہ جانا کہ قولِ صحابہ پر ہمارے علما کا عمل ان کے مسائل میں مختلف رہا ہے۔

(اصول السرخسی ۲/۱۰۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

سرخسی نے یہ بھی نقل کیا:

”وذكر أبو بكر الرازى عن أبى الحسن الكرخي رحمه اللّٰه :أنه كان يقول: أرى أبا يوسف يقول فى بعض مسائله:القياس كذا إلا أنى تركته للأثر ، و ذلك الاثر قول واحد من الصحابة، فهذه دلالة بينة من مذهبه على تقديم قول الصحابى على القياس. قال:أما أنا فلا يعجبنى هذا المذهب“

ابوبکر جصاص الرازی نے ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ وہ کہا کرتے تھے، میں نے دیکھا ابو یوسف اپنے بعض مسائل میں کہا کرتے تھے، قیاس تو اس طرح سے ہے مگر میں نے قیاس کو اثر کی وجہ سے چھوڑا اور وہ اثر کسی صحابی کا قول ہوتا، یہ بات واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ قیاس پر قول صحابی کو مقدم رکھنا ان کا مذہب تھا۔ابوالحسن کرخی نے کہا: رہا میں تو مجھے یہ مذہب پسند نہیں“ (حوالہ بالا ۲/۱۰۶)

دیکھئے جصاص کی طرح سرخسی نے بھی ابوالحسن کرخی کا یہ قول نقل کیا کہ قیاس کو ترک کر کے قول صحابی کو اختیار کرنا مجھے پسند نہیں۔اس پر جصاص وسرخسی نے کرخی کو رافضی نہیں کہا بلکہ سرخسی نے تو لکھا:”وأما الكرخى فقد احتج بقوله تعالىٰ:فَاعْتَبِرُوا يا أُوِلى الأبصَار. والاعتبار هو العمل بالقياس والرأي فيما لا نص فيه ، وقال تعالى: فَإِنْ تَنَازَعْتم فِىْ شَىءٍ فردوه اِلى اللّٰه وَ الرَّسُوْلِ“ يعنى اِلى الكتاب و السنة، و قد دلّ عليه حديث معاذ حين قال له رسول اللّٰه ﷺ:”بم تقضى؟ قال: بكتاب اللّٰه . قال:” فإن لم تجد فى كتاب اللّٰه ؟ قال:بسنة رسول اللّٰه ، قال:فإن لم تجد فى سنة رسول اللّٰه ؟ قال:أجتهد رأيي، فقال:”الحمد للّٰه الذى وفّق رسول رسوله لما يرضى به رسوله .“ فهذا دليل على أنه ليس بعد الكتاب والسنة شيء يعمل سوى الرأي ، قال: ولا حجة لكم فى قوله عليه السلام ”أصحابى كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتيم “ لأن المراد الاقتداء بهم فى الجري على طريقهم فى طلب الصواب فى الأحكام لا فى

تقليدهم و قد كانت طريقتهم العمل بالرأي والاجتهاد ، ألا ترى أنه شبههم بالنجوم و إنما يهتدى بالنجم من حيث الاستدلال به على الطريق بما يدل عليه لا أن نفس النجم يوجب ذلك، وهو تاويل قوله:"اقتدوا بالذين من بعدى" ، و"عليكم بسنة الخلفاء من بعدى"

فإنه إنما يعنى سلوك طريقهم فى اعتبار الرأي والاجتهاد فيما لا نص فيه ، و هذا هو المعنى، فقد ظهرمن الصحابة الفتوى بالرأي ظهورًا لا يمكن انكاره، والرأى قد يخطئ فكان فتوٰى الواحد منهم محتملاً متردّدا بين الصواب و الخطأ، ولا يجوز ترك الرأي بمثله كما لا يترك بقول التابعي، وقالا يترك أحد المجتهدين في عصر رأيه بقول مجتهد آخر.

والدليل على أن الخطأ محتمل فى فتواهم ماروي أن عمر سئل عن مسئلة فأجاب ، فقال رجل:هذا هوا الصواب. فقال والله ما يدري عمر أن هذا هو الصواب أو الخطأ ولكنى لم آل عن الحق، قال ابن مسعود رضي الله عنه فيما أجاب به فى المفوضة:و إن كان خطأ فمنى و من الشيطان .

فعرفنا أنه قد كان جهة الخطأ محتملاً فى فتواهم، ولا يقال هذا فى اجماعهم موجود إذا صدر عن رأي ثم كان حجة، لأن الرأي إذا تأيّد بالاجماع تتعيّن جهة الصواب فيه بالنص، قال عليه السلام:" إن الله لا يجمع أمتى على الضلالة... ولأنه لم يظهر عنهم دعاء الناس إلى أقاويلهم، ولو كان قول واحد منهم مقدّما على الرأي لدعا الناس إلى قوله ... إذا الدعاء إلى الحجة واجب، ولأن قول الواحد منهم لو كان حجة لم يجز لغيره مخالفته بالرأي كالكتاب والسنة، و قد رأينا أن بعضهم يخالف بعضًا برأيه فكان ذلك شبه الاتفاق منهم على أن قول الواحد منهم لا يكون مقدّمًا على الرأي. إلخ

رہے کرخی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ''(ترجمہ) اے آنکھ والو! عبرت حاصل کرو'' سے دلیل لی۔ اور اعتبار یہ ہے کہ جس مسئلہ میں نص نہ ہو اس میں قیاس ورائے پر عمل کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ''اگر کسی چیز کے بارے میں تمہارا تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔'' اور معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کی (طرف منسوب) حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: آپ کس طرح فیصلے کرو گے؟ عرض کی: کتاب اللہ سے۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں تم نہ پاؤ تو؟ عرض کی: رسول اللہ کی سنت سے۔ پھر آپ نے فرمایا: تم رسول اللہ کی سنت میں نہ پاؤ؟ عرض کی: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ تو فرمایا: اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے۔'' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتاب اللہ اور سنت کے بعد رائے کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس پر عمل کیا جائے، اور کرخی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی (طرف منسوب) اس روایت کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔'' میں بھی تمھارے لئے کوئی دلیل نہیں، چونکہ ان کی اقتداء سے مراد ہے کہ احکام میں درست بات کی طلب کے لئے ان کے طریقہ پر چلنا۔ اور ان کی تقلید مراد نہیں، اور ان کا طریقہ کیا تھا رائے اور اجتہاد پر عمل، کیا تم نہیں دیکھتے کہ انھیں ستاروں سے تشبیہ دی گئی، اور ستارے سے راہنمائی تو اس طرح لی جاتی ہے کہ جس راستے کی طرف وہ دلالت کرتا ہے اس پر چلا جاتا ہے نہ کہ خود ستارہ کی طرف، اور یہی تاویل ہے اس کی جس میں فرمایا: ''میرے بعد ابو بکر وعمر کی اقتداء کرنا'' اور اس حدیث: میرے بعد خلفاء کی سنت تم پر لازم ہے'' کا بھی یہی مفہوم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن مسائل میں نص (صریح) نہ ہو ان میں رائے واجتہاد پر اعتبار کرنے میں ان کے راستے کو اختیار کرنا ہے، یہی معنی ہے اس کا۔

اور صحابہ کی رائے سے فتوے دینا اس قدر ظاہر ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں اور رائے بسا اوقات (یا بعض اوقات) غلط بھی ہوتی ہے، تو ان صحابہ میں سے کسی ایک صحابی کا فتویٰ

صواب وخطا کے درمیان متردد ومحتمل ہوتا ہے۔تو ایسی چیز کے سبب رائے کو ترک کر دینا جائز نہیں۔ جیسا کہ تابعی کے قول کے سبب رائے کو ترک نہیں کیا جاتا...اور اس بات کی دلیل کہ ان کے فتوی میں غلطی کا احتمال ہے یہ جو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ عمر سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے اُس کا جواب دیا، ایک شخص نے کہا: یہی درست ہے۔تو عمر نے فرمایا: اللہ کی قسم عمر نہیں جانتا کہ یہ درست ہے یا خطا لیکن میں حق بات میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب مفوضہ کے بارے میں جواب دیا تو فرمایا: اگر یہ رائے خطا ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ پس ہم نے جان لیا کہ صحابہ کے فتاویٰ میں خطا کی جحت کا احتمال موجود ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ احتمال تو ان کے اجماع میں بھی موجود ہے جبکہ وہ اجماع رائے سے صادر ہو۔ پھر وہ حجت ہو۔ چونکہ رائے جب اجماع سے تائید حاصل کر لے تو نص سے اس میں صواب (درستگی) کی جہت متعین ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی''...اور اگر ان صحابہ میں سے کسی صحابی کا قول رائے پر مقدم ہوتا تو وہ لوگوں کو اپنے قول کی طرف دعوت دیتے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اپنے قول پر عمل کی دعوت دیتے تھے اور جیسا کہ صحابہ کرام لوگوں کو کتاب وسنت اور اپنے اجماع پر عمل کی دعوت دیتے تھے۔ چونکہ حجت کی طرف دعوت دینا واجب ہے، اس لئے بھی کہ اگر صحابہ میں سے کسی ایک کا قول اگر حجت ہوتا تو کتاب وسنت کی طرح ان کے غیر کے لئے اس رائے کی مخالفت جائز نہ ہوتی، اور ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ میں سے بعض دوسرے بعض کی مخالفت کرتے تھے۔ (اصول السرخسی ۲/ ۱۰۷۔۱۰۸، دوسرا نسخہ ص ۳۷۰)

تنبیہ: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف مشہور روایت محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ''مشہور واقعات اور ان کی حقیقت'' (پہلا قصہ ص ۲۰)

اسی طرح ''أصحابی النجوم'' والی روایت بھی ضعیف (یا سخت ضعیف وموضوع) ہے۔

صحابی رضی اللہ عنہ کے ثابت شدہ قول پر عمل اس گمان پر کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، تقلید نہیں۔

فلیتنبہ

قارئین کرام! اس تفصیل کے نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ اس بات کے قائل رہے یا ہیں کہ ''قول صحابی حجت نہیں'' اس کی بنیاد یہ اور ایسے ہی کئی دوسرے دلائل ہیں، جن کا تجزیہ سر دست مقصود نہیں۔ ان سے اختلاف و اتفاق دونوں کی گنجائش موجود ہے، لیکن اس کی وجہ صحابہ سے بغض و عداوت قرار دینا دیانت کے خلاف اور بہت بڑی زیادتی ہے۔ غازیپوری صاحب وامثالہ اگر اپنی بات پر مصر ہیں تو عرض ہے کہ اپنے دیگر تین ائمہ کے ساتھ ساتھ کرخی وغیرہ کو بھی رافضی اور بغض صحابہ میں مبتلا اور دشمنِ صحابہ قرار دیں۔ نیز اس بات کا بھی جواب دیں کہ اپنے فتوؤں کے مطابق آپ لوگوں نے ایسے رافضیوں کی تقلید و اتباع اپنے آپ پر کیوں واجب کر رکھی ہے؟؟؟

ہے کوئی مقلدِ دیوبند جو اس بات کا ایسا جواب دے کہ ائمہ بھی رافضی ثابت نہ ہوں اور غازیپوری صاحب کا بھی بھرم رہ جائے!!!

۹: ان کے علامہ عبداللہ بن احمد النسفی نے لکھا:

''فقال الكرخي لا يجوز تقليده إلا فيما لا يدرك بالقياس لأنه إذا كان مما يدرك بالقياس فهو يتكلم بالقياس و الصحابي وغيره في القياس سواء و كما أنّ اجتهاد غيره يحتمل الخطأ فكذا اجتهاده ولما احتمل الخطأ لا يجب تقليده''

کرخی نے کہا صحابی کی تقلید جائز نہیں سوائے ان مسائل کے جو قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتے چونکہ اگر مسائل قیاسیہ ہوں تو صحابی بھی قیاس سے کلام کرتے ہیں اور صحابی وغیر صحابی قیاس میں دونوں برابر ہیں، جس طرح غیر صحابی کے اجتہاد میں خطا کا احتمال ہے اسی طرح صحابی کے اجتہاد میں بھی ہے، تو جب خطا کا احتمال موجود ہے تو ان کی تقلید واجب نہیں۔

(کشف الاسرار علی المنار ج ۲ ص ۱۰۰، مطبوعہ کراچی)

تنبیہ: اصول فقہ حنفی کی کتب میں بارہا اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ خطا کا احتمال ہے اسی لئے تقلید واجب نہیں۔ خطا کا احتمال تو ابوحنیفہ کے اجتہاد میں بھی ہے، جو احناف اور دیوبندیوں

وبریلویوں کو بھی تسلیم ہے پھر ان کی تقلید کیوں واجب ہے؟

جملہ معترضہ کے بعد عرض ہے کہ ابوالحسن کرخی کے نزدیک قیاس کے معاملہ میں صحابی رضی اللہ عنہ اور غیر صحابی برابر ہیں، غازیپوری صاحب اور ان کے ہم خیال بتلائیں کہ آپ کے ''امام'' کرخی کے متعلق آپ لوگوں کا کیا فتویٰ ہے؟

۱۰: ملا علی قاری حنفی نے لکھا:

''وهو مذهب الصحابی لا يقوم به حجة علی أحد''

یہ صحابی کا مذہب ہے اس سے کسی پر حجت قائم نہیں کی جاسکتی۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۲/ ۵۴۹ تحت حدیث: ۸۲۳)

قارئین کرام! یہ دس حوالہ جات آپ کے سامنے ہیں، ان میں مذکور جن جن ائمہ حنفیہ نے قولِ صحابی کی حجیت کا انکار کیا، کیا وہ غازیپوری صاحب کے فتاویٰ جات کی زد میں نہیں آتے؟ اگر نہیں تو دوسروں کے لئے یہ فتاویٰ اتنے سستے کیوں ہیں؟

علمائے دیوبند کا بغضِ صحابہ اور رافضیت (غازیپوری اصول پر)

غازیپوری صاحب دیوبندی ہیں اور علمائے دیوبند سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''مجھے شروع سے علمائے دیوبند سے بہت زیادہ محبت وعقیدت تھی، اس وارفتگی کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے مطالعہ اور مشاہدے کی بنیاد پر یہ سمجھتا تھا کہ برصغیر میں دینِ اسلام کا احیاء وتبلیغ اور جہاد وحریت انہی حضرات کا مرہون منت ہے ان کے اہل حق ہونے کی ایک یہی وجہ میرے نزدیک بہت تھی لہٰذا کوئی ان کے خلاف بولے تو مجھے اس کی حماقت اور جہالت پر نہایت افسوس ہوتا تھا'' (سہ ماہی ''قافلہ'' سرگودھا ج اشارہ ۳ ص ۳۸)

عقیدت وجذبات اور اور محبت کا معاملہ ہے کہ کچھ بھی سمجھ سکتے ہیں، خواہ حقیقت اس کے عین برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ اقتباس نقل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی علمائے دیوبند کے خلاف بولے (خواہ علمائے دیوبند کچھ بھی بولیں) غازیپوری صاحب کو ''اس کی حماقت

اور جہالت پر نہایت افسوس ہوتا تھا" شاید اب بھی ہوتا ہوگا۔ اب غازیپوری صاحب کے وہ فتاویٰ جات ملاحظہ کیجئے جو ہم دس نکات کی شکل میں نقل کر آئے ہیں، پھر علمائے دیوبند کے درج ذیل اقوال بھی دیکھیں تو آپ کو یہ سمجھنے میں قطعاً کچھ دشواری نہیں ہوگی کہ جس "حماقت اور جہالت" پر غازیپوری صاحب کو نہایت ہی افسوس ہوتا ہے بعینہ جی ہاں! بعینہ وہی کام اپنی چار کتب میں وہ خود بھی کر چکے ہیں، گو نادانستہ ہی سہی۔

۱: ان کے محدث خلیل احمد سہارنپوری صاحب نے لکھا:

"**وهو مذهب الصحابي لا يقوم به حجة على احد**" یہ صحابی کا مذہب ہے اس سے کسی پر حجت قائم نہیں کی جا سکتی۔ (بذل المجهود شرح سنن ابی داود ۴/ ۳۹ تحت حدیث: ۸۲۱)

۲: ان کے ایک اور محدث کبیر انور شاہ کشمیری صاحب نے کہا:

"قول صحابی کا حجت نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کا قول ہوتا ہے" (روداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور ۱/ ۴۴۵)

۳: ان کے "شیخ الہند" محمود حسن صاحب نے کہا:

"باقی فعل صحابی وہ کوئی حجت نہیں" (تقاریر شیخ الہند ص ۳۰)

۴: ان کے "المحدث الناقد" ظفر احمد تھانوی صاحب نے لکھا:

"**ولا حجة فى قول الصحابى فى معارضة المرفوع**" مرفوع کے مقابلہ میں قول صحابی حجت نہیں" (اعلاء السنن ۱/ ۱۴۱ تحت حدیث: ۹۰، و ۱۹/ ۶۳ ۴ تحت حدیث: ۴۳۲)

۵: ان کے "شیخ الاسلام مفتی" محمد تقی عثمانی صاحب نے کہا:

"نیز صحابی کا اجتہاد حجت نہیں خاص طور سے جبکہ اسی کے مقابل دوسرے صحابہ کے آثار اس کے خلاف ہوں" (درس ترمذی ۱/ ۱۹۱)

۶: ان کے "امام اہلسنت و محدث" سرفراز خان صفدر صاحب نے لکھا:

"بے شک حضرت عائشہؓ سماعِ موتی کی قائل نہ تھیں مگر ہم نے کلمہ تو آنحضرت ﷺ کا پڑھا ہے آپؐ فرماتے ہیں "**المیت یسمع**" تو آپ کی بات مانیں یا حضرت عائشہ کی؟"

(خزائن السنن ۱/ ۵۲۱)

یہی بات جب اہل حدیث کہتے ہیں کہ کلمہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھا ہے تو دیوبندی طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، ذرا اپنے ''امام اہلسنت'' کی بات پر بھی غور کریں جس سے واضح ہوتا ہے کہ جن کا کلمہ پڑھا ان کی اطاعت واتباع لازم ہے، اور ان کے مقابلہ میں کسی کی بات ماننا لازم نہیں ہے۔ باقی حدیث ''المیت یسمع'' اس قدر مختصر نہیں، اس جملہ کو حدیث کے مکمل سیاق وسباق میں رکھ کر سمجھنا چاہئے۔

دیوبندی ''امام اہلسنت'' نے پانچ مختلف مسائل نقل کرنے کے بعد کہا:

''کیا اپنے آپ کو حنفی کہلوانے والے ان امور میں حضرت عائشہؓ کے مسلک کے قائل ہیں؟ ان میں اُم المومنین کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟'' (حوالہ بالا/۵۲۰)

غازیپوری صاحب اور ان کے ہم خیال دیوبندی جو ''حجیت اقوال وافعال صحابہ'' کی آڑ میں اپنے بغض کا اظہار کرتے نہیں تھکتے، اپنے ''امام اہلسنت'' کو جواب تو دیں کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کر کے امام ابوحنیفہ کے فقہ کی پیروی کیوں کرتے ہیں؟

۷: ''مفتی'' جمیل احمد نذیری دیوبندی صاحب نے لکھا:

''ہاں بعض صحابہ سے ایک وتر پڑھنے کی بھی روایات ملتی ہیں مگر یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا جو احادیث مرفوعہ کثیرہ کے مقابلہ میں حجت نہیں'' (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ص ۲۵۹)

جمیل دیوبندی صاحب تو یہ بات ایسے کہہ رہے ہیں جیسے ایک رکعت وتر کی مرفوع حدیث ہے ہی نہیں، حالانکہ اس پر مرفوع احادیث بھی موجود ہیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۹۹۰) اور صحیح مسلم (۷۵۲ [۱۷۵۷])

لہٰذا ایک رکعت وتر کو مرفوع احادیث کے خلاف قرار دینا غلط بیانی ہے۔

۸: عبدالقیوم حقانی دیوبندی صاحب نے لکھا:

''پھر صحابیؓ کا اجتہاد حجت بھی نہیں خاص طور پر جب اس کے مقابلہ میں دیگر صحابہ کرامؓ سے آثار موجود ہوں۔'' (توضیح السنن ۱/ ۲۰۵)

غازیپوری صاحب! ایسا کہنے والے دیوبندیوں کو سمجھایئے نا کہ جب ''اقوال و

افعال صحابہ حجت'' ہیں تو ''مقابلہ'' کیسا؟ حجت کے ساتھ حجت کو نہ ٹکرائیں دونوں حجتوں کے قائل ہو جائیں۔!!!

۹: سعید احمد پالنپوری صاحب ''محدث دارالعلوم'' دیوبند نے لکھا:

''حضرت عثمان کا خیار عیب کی وجہ سے غلام کے لوٹانے کا فیصلہ درست نہ تھا، اگر حضرت عثمانؓ کو حقیقت حال کا پتہ ہوتا تو وہ ہرگز غلام واپس لینے کا فیصلہ نہ کرتے''

(تسہیل ادلہ کاملہ ص ۱۲۸)

دیکھ لیجئے غازیپوری صاحب! خلیفہ راشد کے فیصلے کو ''نادرست'' کہا اور انھیں ''حقیقت حال'' سے بے خبر بھی کہا۔ ہمیں اندازہ ہے کہ دیوبندیانِ سیدواڑہ اور سرگودھا (غازیپوری سے اپنے اندھے تعصب کی وجہ سے) پالنپوری کو رافضی نہیں کہیں گے!!

۱۰: امین اوکاڑوی نے لکھا: ''حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے تفردات سب صحابہؓ کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت نے قبول نہیں کئے مثلاً آپ عیدین سے پہلے اذان واقامت کے بھی قائل تھے۔'' (تجلیات صفدر ۲/ ۲۹۹)

دیکھئے غازیپوری صاحب آپ کے ممدوح جن کی مبالغہ آمیز تعریفوں کے پل باندھتے آپ یہ تک کہہ گئے: ''حضرت کے علم کا سواں حصہ بھی ہمیں نصیب ہو جائے تو بڑی بات ہے'' (سہ ماہی ''قافلہ'' سرگودھا ج ۲ ص شمارہ نمبر ۳ ص ۵۵)

آپ کے اسی ممدوح اوکاڑوی نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعض معمولات کو تفردات کہہ کر رد ہی نہیں کیا بلکہ رد کر دینا ''اہلسنت'' کا موقف قرار دیا۔

قارئین کرام! بطور مثال نہایت ہی اختصار کے ساتھ علماء و اکابر دیوبند کی یہ دس عبارات نقل کی ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ اکابر علماء دیوبند بھی ائمہ احناف کی طرح اقوال صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور ان میں سے کئی ایک لوگوں نے صاف الفاظ میں اس بات کا اظہار بھی کیا۔ اب غازیپوری صاحب نے محض اہلحدیث سے بغض وعداوت میں جو سخت ترین فتوے لگائے، جو مضمون کے آغاز میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ تو غازیپوری صاحب

کے ان سخت ترین فتوؤں کے مطابق ان کے اکابر بشمول (۱) امام ابوحنیفہ، (۲) قاضی ابو یوسف (۳) ابن فرقد شیبانی (۴) ابوالحسن کرخی (۵) ابوزید دبوسی وغیرہم اور درج بالا علمائے دیوبند (خلیل احمد سہارنپوری، انورشاہ کشمیری، محمود حسن، ظفر احمد تھانوی، محمد تقی عثمانی، سرفراز خان صفدر، جمیل احمد نذیری، عبدالقیوم حقانی، سعید احمد پالنپوری اور محمد امین اوکاڑوی) کو:

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتماد نہیں۔

(۲) ان میں اور شیعہ میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) ان میں روافض کی عادت تھی۔

(۴) صحابہ رضی اللہ عنہم سے خفیہ بغض رکھتے تھے۔

(۵) بغض و عداوت صحابہ کا شکار ہیں۔ (۶) صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان سے بڑھ کر دشمن کوئی نہیں۔

(۷) یہ ناصبی، خارجی اور رافضی تھے۔ (۸) اہلسنت کے متفقہ عقیدہ سے منحرف ہیں۔

(۹) یہ تمام لوگ اہلسنت نہیں۔ (۱۰) اجماعِ امتِ مسلمہ کے منکر ہیں۔

یاد رہے کہ یہ ہمارے فتوے نہیں، یہ سب کچھ ایک ''فاضل دارالعلوم'' دیوبند محمد ابوبکر غازیپوری صاحب کا کمال ہے کہ بغض و عداوت میں اصول و حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے جس نظریہ کی نمائش کی، اور اہلحدیث علماء و عامۃ الناس کو رافضی ثابت کرنا چاہا، بالکل اسی نمائشی نظریہ کی رَو میں یہ خود اور ان کے اکابر علماء بہہ گئے۔ نادانستگی ہی میں سہی علماء دیوبند کی بے حد محبت، عقیدت اور وارفتگی کے باوجود خود ان کے خلاف اتنا کچھ بول گئے، ایسے اصول گھڑے کہ اپنوں ہی کا کام پورا کر دیا۔

غازیپوری صاحب اور ان کے ہمنوا جواب دیں کہ یہ بعینہ وہی کام نہیں جسے جناب نے ''حماقت و جہالت'' کا نام دیا تھا؟ یقیناً وہی کام ہے۔

یہ ہوتا ہے بے سوچے سمجھے بولنے کا انجام۔

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

حافظ زبیر علی زئی

غلام رسول سعیدی اور موضوع (جھوٹی) روایات

(قسط نمبر ۱)

الحمد للّٰه ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((**من يقل عليّ ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار .**))
''جس نے میری طرف اس بات کی نسبت کی، جس کو میں نے نہیں کہا، وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ کی آگ میں بنالے۔'' (صحیح بخاری: ۱۰۹، نعمۃ الباری ج ۱ ص ۴۲۴)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ موضوع (جھوٹی) روایت بیان کرنا حرام ہے، نیز حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) نے بھی لکھا ہے: '' **واتفقوا علىٰ تحريم رواية الموضوع إلا مقرونًا ببيانه.** '' اور اس پر انھوں (علمائے حدیث) نے اتفاق (اجماع) کیا کہ موضوع روایت بیان کرنا حرام ہے، اِلا یہ کہ ساتھ ہی اس (کے موضوع ہونے) کی وضاحت کر دی جائے۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر مع شرح الملا علی القاری ص ۴۵۳)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے موضوع روایت (بطورِ جزم) بیان کرنے کو کبیرہ گناہوں میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الکبائر للذہبی ص ۱۵۳، الکبیرۃ التاسعۃ)

موضوع روایت کی پہچان: موضوع روایت کی پہچان کے کئی طریقے ہیں۔ مثلاً:

۱: سند میں کوئی کذاب راوی ہو اور مقبول شاہد موجود نہ ہو۔

۲: سند میں کوئی متروک یا متہم بالکذب راوی ہو۔

۳: بے سند روایت ہو۔

۴: محدثین کرام نے اس خاص روایت کو موضوع، باطل یا بے اصل قرار دیا ہو۔

۵: روایت مردود ہو اور صحیح دلیل کے خلاف ہو۔ وغیر ذلک / نیز دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی (ص ۱۳۰۔ ۱۳۱، نوع: ۲۱) وکتب اصول الحدیث۔

غلام رسول سعیدی اور موضوع روایات: غلام رسول سعیدی بریلوی نے بھی لکھا ہے:
''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹی بات کو منسوب کرنا سنگین گناہ کبیرہ ہے''
(نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۱۹)

سعیدی صاحب کے اعلان مذکور کے بعد عرض ہے کہ انھوں نے تین بڑی کتابیں لکھی ہیں:

۱: تبیان القرآن (تفسیر القرآن) یہ بارہ جلدوں میں مطبوع ہے۔

۲: شرح صحیح مسلم/ یہ سات جلدوں میں مطبوع ہے۔

۳: نعمۃ الباری یا نعم الباری (شرح صحیح بخاری) اس کی بارہ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

جس طرح بہت سے لوگ اپنی تقریروں، تحریروں اور کتابوں میں موضوع، باطل اور مردود روایات بطورِ حجت واستدلال اور مزے لے لے کر بیان کرتے رہتے ہیں، اسی طرح غلام رسول سعیدی صاحب نے بھی اپنی ان تین کتابوں میں بے شمار موضوع، باطل، بے سند اور مردود روایات بطورِ حجت و استدلال لکھی ہیں۔ اس مضمون (غلام رسول سعیدی اور موضوع [جھوٹی] روایات) میں سعیدی صاحب کی لکھی ہوئی جھوٹی روایات میں سے دس (۱۰) روایات باحوالہ و مع رد بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں، تاکہ عامۃ المسلمین کے سامنے شارحِ حدیث اور مفسرِ قرآن بنے ہوئے شخص کا اصلی چہرہ واضح ہو جائے۔

۱) قبرستان میں گیارہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنا:

غلام رسول سعیدی صاحب نے لکھا ہے:
''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان پر گزرا، پھر گیارہ مرتبہ ''قل ھو اللّٰہ أحد'' (سورۂ اخلاص) پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچا دیا تو اس کو ان مردوں کی تعداد کے برابر ثواب عطا کیا جائے گا۔ (کنز العمال: ۴۲۵۹۶)'' (نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۶۱، نیز دیکھئے نعمۃ الباری ج ۵ ص ۶۰۷)

روایت کی تحقیق: کنز العمال میں یہ روایت بحوالہ ''الرافعي عن علي'' مذکور ہے۔
(۱۵/ ۶۵۵ ح ۴۲۵۹۶)

عبدالکریم بن محمد الرافعی القزوینی (م۶۲۳ھ) کی کتاب ''التدوین في ذکر أهل العلم بقزوین''میں یہ روایت درج ذیل سند ومتن سے مذکور ہے:

'' ... داود بن سلیمان الغازي أنبا علي بن موسی الرضا عن أبیه موسی بن جعفر عن أبیه جعفر بن محمد عن أبیه محمد بن علي عن أبیه علي بن الحسین عن أبیه الحسین بن علي عن أبیه علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه قال رسول اللّٰه ﷺ :من مرّ علی المقابر فقرأ فیها إحدی عشر مرة ''قل هو اللّٰه أحد'' ثم وهب أجره الأموات أعطي من الآجر بعدد الأموات''

(ج۲ص۲۹۷ ترجمۃ اسماعیل بن عبدالوہاب)

داود بن سلیمان الغازی الجرجانی کا تعارف:

اس روایت کی سند میں داود بن سلیمان الغازی القزوینی الجرجانی ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:'' وبکل حال فهو شیخ کذاب، له نسخة موضوعة علی الرضا...'' اور ہر حال میں وہ شیخ کذاب ہے،اس نے (علی) الرضا سے موضوع (جھوٹا) نسخہ بیان کیا ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۲۶۰۸)

حافظ ابن حجر نے حافظ ذہبی کا یہی کلام معمولی اختلاف کے ساتھ بغیر کسی رد کے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے لسان المیزان ج۲ص۴۱۷،دوسرا نسخہ ۳/ ۱۳)

ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی اس راوی کو ثقہ یا صدوق نہیں کہا، بلکہ دسویں صدی ہجری کے علی بن محمد بن عراق الکنانی (م۹۶۳ھ) نے بھی اسے کذابین میں شمار کیا ہے۔

(دیکھئے تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ ۱/ ۵۸)

اور ایک روایت کے بارے میں فرمایا: یہ اس نسخے سے ہے جسے اس (داود بن سلیمان) نے علي بن موسیٰ الرضا عن آبائه کی سند سے گھڑا ہے۔ (تنزیہ الشریعۃ ۲/ ۳۸۷)

سخاوی نے کہا:'' وله نسخة موضوعة بالسند المذکور :''اور مذکور سند کے ساتھ اس نے موضوع نسخہ بیان کیا ہے۔ (المقاصد الحسنۃ ص۱۵۴ رقم ۳۲۱ تحت مواالعقیق)

محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) نے لکھا ہے: ''داود بن سليمان الجرجاني كذاب.''

(تذکرۃ الموضوعات ص ۲۵۴)

اصح الکتب بعد کتاب اللہ: صحیح البخاری کی شرح میں سعیدی صاحب نے اس کذاب شیخ (داود بن سلیمان) کی روایت سے استدلال کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سعیدی صاحب کی یہ کتاب مجموعۂ اکاذیب ہے۔

تنبیہ: فضائل الاخلاص للخلال اور مسند الفردوس للدیلمی میں اس روایت کا ایک مردود شاہد ہے، جس کی سند میں عبداللہ بن احمد بن عامر اور اس کا باپ دونوں کذاب ہیں۔

(دیکھئے الفتاوی الحدیثیہ للسخاوی بحوالہ الضعیفۃ للالبانی ۳/۴۵۳ ح ۱۲۹۰)

حافظ ذہبی نے بھی ابن عامر کے نسخے کو موضوع و باطل قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال ۲/۳۹۰ ت ۴۲۰۰)

۲) تہجد کی فضیلت میں سعیدی روایت: سعیدی صاحب نے ''تہجد کی فضیلت میں احادیث'' کا عنوان مقرر کر کے درج ذیل روایت لکھی ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں فضیلت والے لوگ حاملینِ قرآن ہیں اور تہجد گزار ہیں۔ (المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۲۵، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۲۴۔ ج ۸ ص ۸۰، موسوعۃ ابن ابی الدنیا ج ۱ ص ۲۴۶)''

(نعمۃ الباری ج ۳ ص ۲۶۴)

مذکورہ تمام کتابوں میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

'' نهشل عن الضحاك بن مزاحم عن ابن عباس ...''

نہشل بن سعید: اب نہشل بن سعید بن وردان البصری کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام ابوداود الطیالسی نے فرمایا: '' نهشل كذاب ''

۲: امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: '' نهشل كذاب ''

(کتاب الجرح والتعدیل ۸/ ۴۹۶ ت ۲۲۶۷ وسندہ صحیح)

۳: امام بخاری نے فرمایا: " **أحادیثه مناکیر ... قال إسحاق :هو کذاب**"

(کتاب الضعفاء للبخاری: ۳۹۰)

۴: ابوحاتم الرازی نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا: " **هذا حدیث منکر و نهشل بن سعید متروك الحدیث** " (علل الحدیث ۲/ ۱۲۲۔۱۲۳ ح ۱۸۵۹)

۵: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

" **کان ممن یروي عن الثقات ما لیس من أحادیثهم ، لا تحل کتابة حدیثه إلا علی جهة التعجب** ." وہ ثقہ راویوں سے ایسی حدیثیں بیان کرتا تھا جو اُن کی بیان کردہ احادیث میں سے نہیں ہوتی تھیں، اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں اِلا یہ کہ تعجب کے طور پر لکھا جائے۔ (کتاب المجروحین ۳/ ۵۲، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۹۴)

۶: حافظ ذہبی نے ایک روایت کو موضوع قرار دیا اور فرمایا: " **فرواه عن نهشل وهو هالك عن الضحاك عن ابن عباس رفعه** ." (میزان الاعتدال ۲/ ۱۲۱ ت ۳۱۱۲)

۷: حاکم نیشاپوری نے فرمایا:

" **روی عن الضحاك بن مزاحم الموضوعات**" اس (نہشل بن سعید) نے ضحاک بن مزاحم سے موضوع روایتیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۲۱۸ ت ۲۰۹)

غلام رسول سعیدی کی پیش کردہ روایت بھی ضحاک بن مزاحم سے ہے۔

۸: دارقطنی نے فرمایا: " **لا شيءٔ**" وہ کوئی شے نہیں۔ (سوالات البرقانی: ۵۱۷)

۹: حافظ ہیثمی نے فرمایا: " **و فیه نهشل وهو کذاب**" اور اس روایت میں نہشل کذاب (جھوٹا) ہے۔ (مجمع الزوائد ۱/ ۲۴۰ باب فیمن نسی مسح رأسہ)

۱۰: سیوطی نے متساہل ہونے کے باوجود فرمایا: " **نهشل کذاب**"

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۲۴۴ [الانعام] نیز دیکھئے ذیل اللآلی المصنوعۃ ص ۳، ۱۳، ۲۴)

۱۱: محمد طاہر پٹنی نے کہا: " **فیه نهشل کذاب** " (تذکرۃ الموضوعات ص ۱۸)

مزید تفصیل کے لئے جرح وتعدیل کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

ایسے کذاب کی موضوع روایت پیش کر کے سعیدی صاحب نے اپنی علمیت کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوڑ دیا ہے۔

۳) حاجی کی فضیلت: سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا یا ان کا کوئی قرض ادا کیا، وہ قیامت کے دن نیکی کرنے والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ (سنن دارقطنی ج ۲ص ۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)'' (نعمۃ الباری ج ۵ص ۶۰۷)

سعیدی صاحب کی ''کمال احتیاط'' دیکھئے کہ حوالے کے ساتھ ناشر کا نام اور سنِ اشاعت بھی لکھ دیا ہے، لیکن یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ کہیں اس روایت کی سند میں کوئی کذاب یا متروک و مجروح راوی تو نہیں؟!

صلہ بن سلیمان العطار: اس روایت کی سند میں صلہ بن سلیمان العطار راوی ہے۔

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**كان واسطيًا و كان ببغداد و كان كذابًا.**''

وہ واسطی تھا اور وہ بغداد میں تھا اور وہ کذاب (بڑا جھوٹا) تھا۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۹۰۷ واللفظ لہ، الجرح والتعدیل ۴/ ۴۴۷ ت ۱۹۶۶، وسندہ صحیح)

۲: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

''**يروي عن الثقات المقلوبات و عن الأثبات ما لا يشبه حديث الثقات**''

وہ ثقہ راویوں سے مقلوب روایتیں بیان کرتا تھا اور ثبت راویوں سے ایسی روایتیں بیان کرتا تھا جو ثقہ راویوں کے مشابہ نہیں ہوتی تھیں۔ (کتاب المجروحین ۱/ ۳۷۶، دوسرا نسخہ ۱/ ۴۷۶)

پھر حافظ ابن حبان نے حج والی مذکورہ روایت بطورِ مثال ذکر کی۔

۳: امام دارقطنی نے فرمایا: ''**يترك حديثه عن ابن جريج و شعبة و يعتبر بحديثه عن أشعث بن عبد الملك الحمراني**'' ابن جریج اور شعبہ سے اس کی

بیان کردہ حدیث متروک قرار دی جائے اور اشعث بن عبدالملک الحمرانی سے اس کی روایت شواہد ومتابعات میں دیکھی جائے۔ (کتاب المتروکین للدارقطنی: ۲۹۴ ص ۲۴۹)

یاد رہے کہ سعیدی صاحب کی پیش کردہ روایت ابن جریج سے ہی ہے۔

اشعث سے اس (صلہ بن سلیمان) کی روایت کا کیا حال ہے، وہ امام ابوحاتم الرازی کے درج ذیل بیان سے واضح ہے:

" **متروك الحديث ، أحاديثه عن أشعث منكرة.**" وہ متروک الحدیث ہے، اشعث سے اس کی روایتیں منکر ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۴۴۷ ت ۱۹۶۶)

۴: امام نسائی نے فرمایا: " **متروك الحديث**" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۰۴)

۵: محمد بن طاہر المقدسی نے (دوسرے حوالے میں حج والی مذکورہ روایت ذکر کر کے) فرمایا: " **وصلة هذا كذاب متروك الحديث**"

(ذخیرۃ الحفاظ ۱/ ۲۲۹ ح ۸۸، ۴/ ۲۲۶۱ ح ۵۲۵۱ بحوالہ شاملہ)

۶: محمد طاہر پٹنی نے حج والی مذکورہ روایت ذکر کر کے فرمایا: " **فيه صلة بن سليمان العطار هو كذاب.**" (تذکرۃ الموضوعات مع الموضوعات الکبیر ص ۱۱۷، باب الحاء)

صلۃ بن سلیمان پر مزید جروح کے لئے میزان الاعتدال اور لسان المیزان وغیرہما کا مطالعہ کریں۔

۴) جمعہ کے دن والدین کی قبروں کی زیارت:

سعیدی صاحب نے لکھا ہے: " حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص ہر جمعہ کے دن اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور وہاں سورۂ یٰس پڑھے تو اس شخص کی مغفرت ہو جائے گی۔ (کنز العمال ج ۱۶ ص ۴۶۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۰۵ھ)" (نعمۃ الباری ج ۵ ص ۶۰۷، نیز دیکھئے نعمۃ الباری ۱/ ۲۶۱)

کنز العمال کے مذکورہ صفحے پر یہ روایت درج ذیل متن کے ساتھ بحوالہ " **ابن عدي عن أبي بكر**" مذکور ہے: " **من زار قبر أبويه أو أحدهما في كل يوم الجمعة فقرأ**

عنده یٰس غفرله .'' (ح ۴۵۴۸۶)

الکامل لابن عدی میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" عمرو بن زياد: ثنا يحيى بن سليم الطائفي عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه ...''

(ج ۵ ص ۱۸۰۱، دوسرا نسخہ ج ۶ ص ۲۶۰)

حافظ ابن عدی کا فیصلہ: یہ روایت بیان کر کے حافظ ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:

" و هذا الحديث بهذا الإسناد باطل ليس له أصل، و لعمرو بن زياد غير هذا من الحديث منها سرقة يسرقها من الثقات و منها موضوعات و كان هو يتهم بوضعها .'' اور یہ حدیث اس سند کے ساتھ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، اور اس کے علاوہ عمرو بن زیاد کی بیان کردہ اور روایتیں بھی ہیں جو اس نے ثقہ راویوں سے چرائی ہیں اور ان میں موضوع روایات بھی ہیں جن کے گھڑنے میں یہی متہم ہے۔ (ج ۵ ص ۱۸۰۱)

یہ عبارت اور شدید جرح چھپا کر صاحبِ کنز نے اپنی کتاب کی حیثیت واضح کر دی۔

تنبیہ: یہ روایت عمرو بن زیاد البقالی الثوبانی کی سند کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے: طبقات المحدثین باصبہان لابی الشیخ (۳/۳۳۲ ح ۵۱۹) اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی (۲/۳۴۴۔۳۴۵) الموضوعات لابن الجوزی (۳/۲۳۹)

عمرو بن زیاد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان البقال الخراسانی الجندیسابوری:

اس روایت کے بنیادی راوی عمرو بن زیاد کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: حافظ ابن عدی نے فرمایا: **" منكر الحديث، يسرق الحديث و يحدث بالبواطيل ''** منکر روایتیں بیان کرتا تھا، حدیثیں چوری کرتا تھا اور باطل روایات بیان کرتا تھا۔ (الکامل لابن عدی ۶/۱۸۰۰، ۶/۲۵۹)

۲: امام دارقطنی نے فرمایا:

" عمرو بن زياد الثوباني :يضع الحديث " (الضعفاء والمتروکون:۳۹۱ص۳۰۵)

۳: حافظ ذہبی نے بھی اس راوی کو ایک روایت کا گھڑنے والا قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال ۳/ ۲۶۱ ت ۶۳۷۱)

نیز فرمایا:" وضاع "(تلخیص کتاب الموضوعات للذہبی ۱/ ۲۰۶ ح ۹۴۰ بحوالہ شاملہ)

اور فرمایا:" وهو كذاب " (ایضاً ۱/ ۹۰ ح ۳۳۰، شاملہ)

ابن الجوزی نے فرمایا: " و قد ذكرنا آنفًا أن الثوباني كان كذابًا. "

اور ہم نے تھوڑی دیر پہلے بتایا ہے کہ ثوبانی کذاب تھا۔

(الموضوعات لابن الجوزی ۲/ ۳، دوسرا نسخہ ۲/ ۲۳۰)

تنبیہ: ایک اور راوی ہے جسے عمرو بن زیاد الباہلی کہتے ہیں، یہ رے (ایک شہر) میں گیا تھا۔

یہ مصری یا بصری شخص ہے اور اسے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۸/ ۴۸۸)

جبکہ اسی باہلی کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا:

"كان يضع الحديث ... وكان كذاباً (أفاكاً)..." وہ حدیثیں گھڑتا تھا... اور وہ کذاب افاک (بہت بڑا جھوٹا مفتری) تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/ ۲۳۴ ت ۱۲۹۴)

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ الباہلی اور الثوبانی ایک ہی ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۴/ ۳۶۴، دوسرا نسخہ ۵/ ۳۰۵)

لیکن انھوں نے کوئی واضح دلیل پیش نہیں کی، لہٰذا ان کا یہ دعویٰ محلِ نظر ہے۔

بشرطِ صحت اگر دونوں کو ایک ہی راوی تسلیم کر لیا جائے تو حافظ ابن عدی، امام ابو حاتم الرازی اور امام دارقطنی وغیرہم (جمہور) کی شدید جروح و تکذیب کے مقابلے میں ابن حبان کی یہ توثیق مردود ہے۔

یاد رہے کہ اس موضوع روایت میں بعض الفاظ کے موضوع و مردود شواہد بھی ہیں، لیکن علمی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

۵) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایک فضیلت: موضوع روایت کے زور سے:

غلام رسول سعیدی صاحب نے لکھا ہے:

''حضرت فاطمہ علیہا السلام کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی پردے کی اوٹ سے یہ اعلان کرے گا کہ اے اہل محشر! اپنی نظریں جھکا لو، حتیٰ کہ فاطمہ بنت محمد گزر جائیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (المستدرک: ۴۷۸۱۔ ج۵، المعجم الکبیر: ۱۸۰۔ ج۱، المعجم الاوسط: ۲۴۰۷)'' (نعمۃ الباری ج۶ ص۸۱)

اس روایت کی دو سندیں ہیں:

۱: ایک میں عباس بن ولید بن بکار الضبی ہے۔ (المستدرک: ۴۷۲۸)

۲: دوسری میں عبدالحمید بن بحر ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ۱/ ۱۰۸ ح ۱۸۰، الاوسط: ۲۴۰۷، المستدرک: ۴۷۵۷)

حافظ ذہبی کا فیصلہ: جب حاکم نے اس روایت کو ''صحیح علیٰ شرط الشیخین'' لکھا تو حافظ ذہبی نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

'' لا واللّٰہ! بل موضوع، والعباس قال الدارقطني: کذاب ...''

اللہ کی قسم! یہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ موضوع (من گھڑت) ہے اور عباس (بن ولید بن بکار) کے بارے میں دارقطنی نے فرمایا: کذاب ہے۔ (تلخیص المستدرک ۳/ ۱۵۳ ح ۴۷۲۸)

مستدرک للحاکم کی فنی حیثیت کا بیان: اس عنوان کے تحت خود سعیدی صاحب نے لکھا ہے: ''علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

امام حاکم تصحیح حدیث میں متساہل ہیں، علامہ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ حاکم کے شاگرد بیہقی ان سے زیادہ تحقیق کرتے ہیں، حافظ ذہبی نے

مستدرک کا خلاصہ کیا ہے اور مستدرک کی بہ کثرت احادیث کو ضعیف اور منکر قرار دیا ہے اور ایک رسالہ میں مستدرک کی تقریباً ایک سو موضوع احادیث جمع کی ہیں۔"

(شرح صحیح مسلم ج۱ص۹۱)

سعیدی صاحب نے مزید لکھا ہے:

"علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

امام حاکم متساہل ہیں اور انھوں نے ضعیف احادیث تو الگ رہیں کئی موضوع احادیث کو بھی صحیح قرار دیا ہے..." (شرح صحیح مسلم ج۱ص۹۲)

انھی موضوعات میں سے ایک موضوع روایت کو سعیدی صاحب نے فضائل میں بطورِ حجت پیش کر کے اپنے ہی اصول کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔

عباس بن ولید بن بکار الضبی: عباس بن ولید بن بکار کے بارے میں محدثین کرام کی بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: مستدرک والے حاکم نیشاپوری نے فرمایا:

" العباس بن الوليد بن بكار الضبي من أهل البصرة ، روى عن خالد بن عبدالله الواسطي حديثًا منكرًا لم يتابع عليه و حدث عن غيره بالمعضلات."

عباس بن ولید بن بکار الضبی البصری نے خالد بن عبداللہ الواسطی سے ایک منکر روایت بیان کی، جس میں کسی (ثقہ وصدوق) کی طرف سے اس کی متابعت نہیں کی گئی اور اس نے دوسروں سے معضل (منقطع) روایات بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص۱۸۳ ت۱۵۱)

حاکم کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ روایت منکر ومردود ہے۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستدرک کی تصنیف کے وقت وہ تغیرِ حفظ کا شکار ہو کر بہت سے شدید مجروح وکذاب راویوں کے بارے میں بھی اپنی جروح بھول گئے تھے اور کئی مقامات پر کذاب راویوں کی روایات کو صحیح کہہ دیا تھا، لہٰذا حافظ ذہبی اور جمہور محدثین کی

جرح کے مقابلے میں ان کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں۔

۲: دارقطنی نے فرمایا: " **کذاب** " (الضعفاء والمتروکون: ۴۲۳)

۳: عقیلی نے فرمایا: " **الغالب علٰی حدیثه الوهم و المناکیر** "

اس کی احادیث میں منکر اور وہم والی روایات غالب ہیں۔

(الضعفاء ۳/۳۶۳ دوسرا نسخہ ۳/ ۱۰۶۷)

۴: حافظ ابن عدی نے فرمایا:

" **منکر الحدیث عن الثقات و غیرهم .** " (الکامل ۵/ ۱۶۶۵، دوسرا نسخہ ۶/ ۶)

نیز انھوں نے اس کی روایت مذکورہ (درفضیلتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کو منکر قرار دیا۔

(ایضاً ص ۱۶۶۶، دوسرا نسخہ ۶/ ۷)

۵: حافظ ذہبی نے فرمایا: " **و کان کذاباً** " (تاریخ الاسلام ۱۶/۲۱۴ وفیات ۲۲۱۔۲۳۰ھ)

۶: محمد طاہر پٹنی نے ایک روایت کے بارے میں کہا:

" **هو من أباطیل العباس بن بکار الکذاب** "

وہ عباس بن بکار الکذاب کی باطل روایتوں میں سے ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۵۸)

۷: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

" **لا یجوز الاحتجاج به بحال و لا کتابة حدیثه إلا علٰی سبیل الاعتبار للخواص .** " اس سے استدلال کرنا کسی حال میں جائز نہیں اور خواص کے لئے روایات کی جان پڑتال کے سوا اس کی حدیث لکھنا جائز نہیں۔ (کتاب المجروحین ۲/۱۹۰، دوسرا نسخہ ۲/۱۸۲)

نیز حافظ ابن حبان نے اس جرح کے بعد فضیلت والی مذکورہ روایت ذکر کی۔

اگر کوئی کہے کہ ابن حبان نے عباس بن بکار کو کتاب الثقات میں ذکر کر کے لکھا ہے:

" **و کان یغرب ، حدیثه عن الثقات لا بأس به .** " (۸/۵۱۲)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توثیق تین وجہ سے مردود ہے:

اول: عین ممکن ہے کہ ابن حبان کے نزدیک عباس بن ولید بن بکار اور عباس بن بکار دو

علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہوں، لہٰذا اعتراض کی بنیاد ہی سرے سے ختم ہے۔
ابو حاتم الرازی نے بھی اس قسم کے ایک راوی یا اسی کو "شیخ" قرار دیا ہے۔
(الجرح والتعدیل ۶/ ۲۱۷ ت ۱۱۹۱)

اور شیخ کا لفظ نہ جرح ہے اور نہ تعدیل، لہٰذا جمہور کی جروح شدیدہ کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

دوم: ابن حبان کی توثیق ان کی جرح سے متصادم و متعارض ہو کر ساقط ہے۔

سوم: یہ توثیق جمہور کی جرح کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۸: ابو نعیم الاصبہانی نے فرمایا: "**یروي المناکیر، لا شيً**"
(کتاب الضعفاء ص ۱۲۳ ت ۱۷۹)

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عباس بن ولید بن بکار کذاب راوی ہے۔

عبدالحمید بن بحر البصری: اس روایت کی دوسری سند کے راوی عبدالحمید بن بحر کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں درج ہیں:

۱: حافظ ابن عدی نے فرمایا: "**و لعبد الحمید هذا غیر حدیث منکر رواه و سرقه من قوم ثقات.**" اس عبدالحمید کی بیان کردہ کئی حدیثیں منکر ہیں، جنھیں اس نے ثقہ راویوں سے چُرایا ہے۔ (الکامل لابن عدی ۵/ ۱۹۵۹، دوسرا نسخہ ۷/ ۱۱)

۲: حافظ ابن حبان نے فرمایا: "**کان یسرق الحدیث فیرویه، لا یحل الاحتجاج به بحال.**" وہ حدیث چوری کر کے روایت کر دیتا تھا، اس سے کسی حال میں استدلال کرنا حلال نہیں۔ (کتاب المجروحین ۲/ ۱۴۲، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۲۵)

ان دونوں گواہیوں سے معلوم ہوا کہ یہ راوی چور تھا۔

۳: حاکم نے فرمایا: اس نے مالک اور شریک بن عبداللہ سے مقلوب (اُلٹ پلٹ) روایات بیان کی ہیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۷۳ ت ۱۳۳)

۴: حافظ ذہبی نے فرمایا: "**عبد الحمید کان یسرق الحدیث**"

(تلخیص کتاب الموضوعات للذہبی ۱/ ۶۱ ح ۲۵۶ شاملہ)

دیگر اسانید: اس روایت کی تائید میں کچھ اور سندیں بھی ہیں لیکن ساری موضوع و مردود ہیں۔ایک میں عمرو بن زیاد الثوبانی کذاب ہے، دوسری میں محمد بن یونس الکدیمی کذاب ہے اور دیگر مجروح راوی بھی موجود ہیں۔

ان تمام شواہد کے ساتھ یہ روایت موضوع ہی ہے۔

۶) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے کی نماز جنازہ:

سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپ اس پر نماز پڑھیں، آپ نے اس پر نماز نہیں پڑھی، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے اس سے پہلے کسی کی نماز جنازہ ترک کی ہو؟ آپ نے فرمایا: یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا، اس لیے اللہ نے اس سے بغض رکھا۔(سنن ترمذی: ۳۷۰۹)" (نعمۃ الباری ج ۶ ص ۸۷۷)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" عثمان بن زفر : حدثنا محمد بن زياد عن محمد بن عجلان عن أبي الزبير عن جابر ..."

امام ترمذی کا فیصلہ: یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام ترمذی نے فرمایا:

" هذا حديث غريب ، لا نعرفه إلا من هذا الوجه و محمد بن زياد هذا هو صاحب ميمون بن مهران ضعيف في الحديث جدًا ." یہ غریب روایت ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے ہی جانتے ہیں اور یہ محمد بن زیاد میمون بن مہران کا شاگرد ہے، حدیث میں سخت ضعیف ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۷۰۹)

محمد بن زیاد الیشکری الطحان الاعور الکوفی المیمونی:

محمد بن زیاد الاعور مذکور کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں درج ذیل ہیں:

ا: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "كذاب خبيث أعور، يضع الحديث ."
کذاب خبیث کانا، وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (العلل ومعرفۃ الرجال ۳/ ۲۹۸ فقرہ: ۵۳۲۲)
اور فرمایا: "كان أعور كذاباً، يضع الأحاديث"
(الجرح والتعدیل ۷/ ۲۵۸ ت ۱۴۱۲، وسندہ صحیح)

۲: عمرو بن علی الفلاس الصیر فی نے فرمایا: "كان كذاباً، متروك الحديث"
(ایضاً ص ۲۵۸ وسندہ صحیح)

نیز فرمایا: "متروك الحديث كذاب، منكر الحديث، سمعته يقول: حدثنا ميمون بن مهران عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: زينوا مجالس نسائكم بالغزل ." متروک الحدیث کذاب منکر الحدیث ہے، میں نے اسے میمون بن مہران عن ابن عباس کی سند سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی عورتوں کی مجلسوں کو عاشقانہ غزلوں کے ساتھ مزین کرو۔ (تاریخ بغداد ۵/ ۲۸۰ وسندہ صحیح)

۳: ابو زرعہ الرازی نے فرمایا: "كان يكذب" وہ جھوٹ بولتا تھا۔
(کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج ۲ ص ۴۴۷)

۴: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "وكان كذاباً خبيثاً ."
(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۴۹۴۰)

اور فرمایا: "ليس بشيئ، كذاب." وہ کوئی چیز نہیں، کذاب ہے۔ الخ
(سوالات ابن الجنید: ۴۸۴)

اور فرمایا: "كان ببغداد قوم يضعون الحديث منهم محمد بن زياد كان يضع الحديث" بغداد میں کچھ لوگ حدیثیں گھڑتے تھے، ان میں سے محمد بن زیاد بھی ہے جو حدیث گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۵/ ۲۷۹ ت ۲۷۷۸ وسندہ حسن)

۵: دارقطنی نے فرمایا: "يكذب" وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (الضعفاء والمتروکون: ۴۶۶)

۶: ابن حبان نے فرمایا: "كان ممن يضع الحديث على الثقات ..."

وہ حدیثیں گھڑ کر ثقہ راویوں سے منسوب کر دیتا تھا۔ (کتاب المجروحین ۲۰/۲۵۰ دوسرا نسخہ ۲/۲۵۹)

۷: حاکم نیشاپوری نے فرمایا: " **محمد بن زياد الجزري اليشكري الحنفي يروي عن ميمون بن مهران وغيره الموضوعات.**" وہ میمون بن مہران وغیرہ سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۹۴ ت ۱۷۰)

۸: ابونعیم الاصبہانی نے فرمایا: " **يروي عن ميمون بن مهران وغيره الموضوعات.**" (کتاب الضعفاء: ۲۰۹)

۹: ابن شاہین نے فرمایا: " **كان كذابًا خبيثًا** "

(تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین لابن شاہین: ۵۶۴)

۱۰: امام بخاری نے اسے " **متروك الحديث**" کہا اور ثقہ ثبت محدث عمرو بن زرارہ بن واقد الکلابی النیسابوری رحمہ اللہ سے نقل کیا: " **كان محمد بن زياد يتهم بوضع الحديث.**" (کتاب الضعفاء للبخاری بتحقیقی: ۳۲۷)

امام نسائی نے بھی اسے " **متروك الحديث**" کہا۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی: ۵۴۷)

ابوحاتم الرازی نے بھی اسے " **متروك الحديث**" کہا۔ (الجرح والتعدیل ۷/ ۲۵۸)

ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے فرمایا: " **كان كذابًا**" **إلخ** (احوال الرجال للجوزجانی: ۳۶۳)

حافظ ذہبی نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

" **ذا من وضع الطحان.**"

یہ طحان کی گھڑی ہوئی روایتوں میں سے ہے۔ (تلخیص المستدرک ۴/ ۴۴۱ ح ۸۲۶۴)

ایسے کذاب راوی سے روایت بیان کر کے غلام رسول سعیدی صاحب نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کی کتابوں میں جھوٹی اور من گھڑت روایات سے بھی استدلال کیا گیا ہے اور ان کتابوں کا حجم بہت سی جھوٹی روایات اور اکاذیب، افتراءات و مغالطات وغیرہ سے بھر دیا گیا ہے،، لہٰذا ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں اور عوام کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ہرگز جائز نہیں۔

[باقی آئندہ شمارے میں۔ان شاءاللہ]

حافظ ندیم ظہیر

مقالہ ''حسن لغیرہ'' پر ایک نظر (قسط نمبر ۴)

ضعیف + ضعیف اور محدثین عظام
خبیب صاحب خود ساختہ اصول کی زد میں

'' امام احمد کے نزدیک حسن لغیرہ کی حجیت'' کے عنوان کے تحت ایک جگہ خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''سفیان ثوری کا کسی حدیث کے مطابق فتویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۱۷۴)

قارئین کرام! شاید آپ یہ سمجھ رہے ہوں کہ اس اصول کو راقم الحروف نے خود ساختہ کہا ہے، جی نہیں بلکہ اس اصول کو شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے '' خود ساختہ قرار دیا ہے۔'' دیکھئے اعلاء السنن فی المیزان (ص ۳۳ فہرس)

مولانا اثری مزید لکھتے ہیں: ''مگر اس رائے کے برعکس علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

'' عمل العالم أو فتياه على وفق حديث ليس حكماً منه بصحة ذلك الحديث''

(المقدمہ: ۱۰۰) ''عالم کا عمل یا اس کا حدیث کے مطابق فتویٰ اس کی طرف سے حدیث پر صحت کا حکم نہیں ہے۔''

سیدھی سی بات ہے کہ جب کسی عالم و مجتہد کا صحیح حدیث کے خلاف قول وعمل اس کو مستلزم نہیں کہ وہ حدیث اس کے نزدیک ضعیف ہو تو اس کا عمل اس کی صحت کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے؟ کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس حدیث کے علاوہ بھی کوئی خارجی دلیل اس کی مؤید ہو جیسے یہ کہ اجماع یا قیاس اس کا مؤید ہو۔ اس بنا پر مجتہد نے اس حدیث پر عمل کیا ہو یا اس سے استدلال کیا ہو، بلکہ بعض ائمہ کرام وہ بھی ہیں جو ضعیف حدیث کو قیاس سے مقدم جانتے ہیں جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے...'' (اعلاء السنن فی المیزان ص ۴۹)

اسے اثری صاحب اور خبیب صاحب کے مابین فکری تضاد کہیے یا کچھ اور..... بہر

صورت خبیب صاحب ایک خودساختہ اصول کی زد میں آ چکے ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اعلاء السنن فی المیز ان کی معاونت میں، حافظ محمد خبیب احمد کا نام بھی موجود ہے۔!

ع آنکھ پرنم ہے اور اس پہ جگر جلتا ہے کیا تماشا ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

کیا امام بخاری رحمہ اللہ ضعیف + ضعیف کے قائل تھے؟

خبیب صاحب لکھتے ہیں: ''امام بخاری ۲۵۶ھ: انھوں نے شریک راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسری سند سے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ حالانکہ دوسری سند بھی ضعیف ہے۔'' (مقالات اثریہ ص ۸۰)

اسی طرح ''امام بخاری کے ہاں حسن لغیرہ کی حجیت'' کے عنوان سے تقریباً انیس (۱۹) صفحات تحریر کیے ہیں۔ چونکہ خبیب صاحب کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ''شریک بن عبداللہ امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہیں اور انھوں نے ان کی روایت کو حسن قرار دیا ہے'' لہٰذا ہم بھی ان کی قیل وقال کے بجائے اسی بات کو موضوعِ سخن بنائیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک شریک بن عبداللہ القاضی ضعیف نہیں ہیں

جب یہ ثابت ہو جائے کہ شریک بن عبداللہ، امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف نہیں تو ان کے ارد گرد بُنا ہوا ضعف کا جال تارِ عنکبوت کی سی حیثیت بھی نہیں رکھے گا اور خبیب صاحب اپنے خواب ''امام بخاری ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ کے قائل ہیں'' کی تعبیر پوچھتے پھریں گے۔

☆ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کسی کتاب میں شریک بن عبداللہ کو ضعیف قرار نہیں دیا حتیٰ کہ کتاب الضعفاء میں اشارتاً بھی جرح نہیں کی۔

☆ امام بخاری رحمہ اللہ نے شریک کی ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے۔
دیکھئے سنن الترمذی (۱۳۶۶)

جب شریک امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہی نہیں تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شریک راوی امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک حسن الحدیث ہیں۔

☆ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے ایسی روایات کے بارے میں سوال کیا جن میں شریک بن عبداللہ موجود تھے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے شریک پر کوئی جرح نہیں کی۔ دیکھئے سنن الترمذی (۱۶۷۹، ۸۶۶ وغیرہ)

☆ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "**الجامع الصحیح**" میں بطورِ استشہاد شریک کی روایت کو بیان کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**شريك بن عبد اللّٰه النخعي الكوفي القاضي، مختلف فيه ، و ما له سوى موضع واحد في الجنائز**" (فتح الباری ص ۴۵۸/ مقدمہ)

اور ایسے راویوں کو علماء نے اہل صدق ہی میں شمار کیا ہے۔ دیکھئے مقدمہ فتح الباری (ص ۳۸۴) بالخصوص جب جمہور کی توثیق بھی ہو۔

☆ اگر خبیب صاحب کہیں کہ امام بخاری نے العلل الکبیر میں شریک پر جرح کر رکھی ہے تو ہم موصوف کو انھی کی زبان میں عرض کریں گے کہ "**ثبت العرش ثم انقش**" یعنی جتنی توانائی شریک کو ضعیف ثابت کرنے پر صَرف کی ہے اتنی امام ترمذی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کتاب "العلل الکبیر" کو باسند صحیح ثابت کرنے میں ہی صَرف کر دیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تحفۃ الاقویا فی تحقیق کتاب الضعفاء از محدث دوراں حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ (ص ۸، طبع ۱۴۳۳ھ)

توجہ طلب: فرض محال شریک کو عند البخاری ضعیف متصور کر لیا جائے تب بھی امام بخاری رحمہ اللہ سے ضعیف + ضعیف کا ثبوت بعید تر ہے، کیونکہ صحیح بخاری میں موجود جس معنوی شاہد کا خبیب صاحب نے اپنی کم سنی میں کھوج لگا لیا ہے، وہ خود صاحبِ کتاب امام بخاری رحمہ اللہ سے کیونکر مخفی رہ سکتا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ عدم ذکر نفی ذکر کو مستلزم نہیں۔

[باقی آئندہ شمارے میں۔ ان شاء اللہ]

ابو معاذ

نفس کی رذالتیں اور ان کا علاج

کتاب وسنت سے ہٹے ہوئے اور نفس پرستی سے لبریز شریر نفس کے بارے میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: سبحان اللہ! نفس میں ابلیس کا تکبر، قابیل کا حسد، قومِ عاد کی سرکشی، قوم ثمود کی طغیانی، نمرود کی جراءت، فرعون کا حد سے تجاوز و دست درازی، قارون کی ہٹ دھرمی اور تریاہٹ، ہامان کی بے شرمی، بلعام کی خواہش پرستی، سبت والوں کی حیلہ سازی، ولید (بن مغیرہ) کی اکڑ اور ابوجہل کی جہالت موجود ہے۔

اس نفس میں درندوں کی صفات میں سے کوے کی حرص، کتے کی طمع اور لالچ، مور کی بد دماغی اور ناسمجھی، گندگی خور کیڑے کی رذالت و کمینگی، سوسمار (ضب) کی بدسلوکی، اونٹ کا کینہ، چیتے (تیندوے) کی حملہ آوری، شیر کی خون خواری، چوہے کا فسق، سانپ کی خباثت، بندر کی فضول و بیہودہ اچھل کود، چیونٹیوں کی حرص کہ بہت کچھ اکٹھا ہو جائے، لومڑی کا مکر، پروانوں کا ہلکا پن اور بجو کی نیند (بھی) موجود ہے۔

سوائے اس کے کہ (ایمان کے ساتھ) محنت اور مجاہدے سے یہ سب چیزیں ختم ہو سکتی ہیں۔

پس جس نے اپنے نفس کو کھلا چھوڑ دیا تو وہ اسی مذکورہ گروہ میں سے ہے۔

(الفوائد ص ۴۶۳-۴۶۴، مجموع رسائل علمیہ و دعویہ للشیخ محمد بن عبداللہ الامام الیمنی حفظہ اللہ ص ۲۲۸)

کامیاب ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور مذکورہ تمام برائیوں سے بچتا ہوا کتاب وسنت کے راستے پر گامزن رہا۔ (دیکھئے سورۃ الشمس: ۹)

اور جو شخص اپنے نفس کا غلام بنا، اسے کھلا چھوڑ دیا تو یہ شخص دنیا اور آخرت میں رسوا ہے۔ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا کر دے اور اس کا بہترین تزکیہ فرما، تو ہی اس کا ولی و نگہبان ہے۔ (آمین)